معارف الحدیث

یعنی

احادیث نبویؐ کا ایک جدید انتخاب
اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

جلد دوم

تالیف

محمد منظور نعمانی

کتبخانۂ الفرقان لکھنؤ

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا

"معارف الحدیث"

یعنی

احادیثِ نبویؐ کا ایک جدید انتخاب

اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

جو

اس زمانہ کے تعلیمیافتہ مسلمانوں کی ذہنی و فکری سطح کو

پیشِ نظر رکھ کر ——— مرتب کیا گیا ہے

جلد دوم

"کتاب الرقاق"

"کتاب الاخلاق"

تالیف:- محمد منظور نعمانی

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان ——— لکھنؤ

قیمت مجلد ۵/ ۱۳۷۸ھ

(مطبوعہ تنویر پریس لکھنؤ)

غیر مجلد ۱۱/- ۱۹۵۸ء

تکمۂ سنجاں راصلائے عام دہ
از نبیِّ اُمّیؐ پیغام دہ

پیشکش

اُن سب اخوانِ دینی کی خدمت میں ـــــــ جو

"نبیِ اُمّی" سیدنا حضرت محمدؐ عربی (فداہ اُمّی وابی وروحی وقلبی) پر

ایمان رکھتے ہیں

اور آپ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدمؑ کی نجات کا

یقین کرتے ہیں

اور اِسلئے آپ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آیئے

علم و تصوّر ہی کے راستہ سے مجلسِ نبویؐ میں حاضر ہو کر

آپ کے ارشادات سنیں!

اور

اس چشمۂ انوار سے

اپنے تاریک دلوں کے لئے روشنی حاصل کریں!

URL
297.13
M'JH
L10578

عاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

فہرست مضامین "معارف الحدیث" جلد دوم بتقید صفحہ

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
دیباچہ ۔ (از مؤلف)	۹
مقدمہ :۔ (از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)	۱۱
"کتاب الرقاق"	۲۵
خوف خدا اور فکر آخرت	۲۶
اگر عالم غیب ہم پر منکشف ہو جائے تو ہمارا کیا حال ہو ؟۔	۲۶
غفلت کو دور کرنے کیلئے موت کو زیادہ یاد کرو۔	۳۲
خوف خدا اور فکر والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔	۳۴
موت و آخرت کی تیاری کرنے والے ہی ہوشیار اور دور اندیش ہیں۔	۳۶
نیکی اور عبادت کر کے ڈرنے والے بندے۔	۳۸
قیامت کے دن بڑے سے بڑا عبادت گذار بھی اپنی عبادت کو ہیچ سمجھے گا۔	۴۰
قیامت کے دن معمولی سمجھے جانے والے گناہوں کی بھی باز پرس ہوگی	۴۱
گناہوں کے انجام سے ڈرنے والوں اور خدا کی رحمت کی اُمید رکھنے والوں پر خدا کا خاص فضل ہوگا	۴۲
جس کے دل میں کسی موقع پر بھی اللہ کا خوف ہوا وہ دوزخ سے نکلوا لیا جائے گا۔	۴۳
اللہ کے خوف سے نکلنے والے آنسوؤں کی برکت۔	۴۴
اللہ کے خوف سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جانے کی سعادت۔	۴۵

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
ایک گنہگار نے خوف خدا سے مغلوب ہو کر ایک بڑی جاہلانہ غلطی کی، اور وہ بخشا گیا	۴۶
خدا کا خوف اور تقویٰ ہی فضیلت کا معیار ہے۔	۴۷
خوف و خشیت اور فکر آخرت کے لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا حال۔	۵۱
دنیا کی تحقیر اور مذمت	۶۰
تمہید ۔۔ دنیا کی بے وقعتی اور تحقیر کے بارہ میں ایمانی مسلمات اور قرآن مجید کی روشنی میں اصولی گفتگو۔	۶۱
آخرت کے مقابلے میں دنیا کی حقیقت۔	۶۳
دنیا مومن کا جیلخانہ اور کافر کی بہشت۔	۶۶
مشہور حدیث "الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر" کا صحیح مطلب اور اس کا تقاضا۔	۶۷
دنیا فانی ہے اور آخرت غیر فانی، اسلئے آخرت کے طالب بنو۔	۶۸
اللہ سے تعلق کے بغیر دنیا قابل لعنت ہے	۶۹
طالب دنیا گناہوں سے نہیں بچ سکتا۔	۷۰
اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو دنیا سے بچاتا ہے۔	۷۰
اپنے کو مسافر اور اس دنیا کو مسافر خانہ سمجھو۔	۷۱
دنیا کی حقیقت کیا ہے ؟ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ)۔	۷۲
اسی موضوع پر آپؐ کا ایک اور خطبہ۔	۷۴

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
امت میں دولت کی افراط کا خطرہ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آگاہی۔	۷۶
اس امت کا خاص فتنہ دولت ہے۔	۷۷
حبِ مال اور حبِ جاہ دین کیلئے قاتل ہیں۔	۷۸
دنیا اور دولت کی محبت بڑھاپے میں بھی جوان رہتی ہے۔	۷۸
دولت میں اضافہ کی حرص کسی حد پر ختم نہیں ہوتی۔	۸۰
طالبِ آخرت کا دل مطمئن رہتا ہے، اور طالبِ دنیا کا پراگندہ اور غیر مطمئن۔	۸۱
دولت میں بندہ کا واقعی حصہ کیا ہے؟۔	۸۲
دولت کے پرستار خدا کی رحمت سے محروم۔	۸۴
حضورؐ کا ارشاد کہ "مجھے سوداگری اور دولت اندوزی کا حکم نہیں دیا گیا ہے" اور اس کا مطلب۔	۸۵
اللہ تعالیٰ کی طرف سے دولت و ثروت کی پیشکش اور آپ کی فقر پسندی۔	۸۶
سب سے زیادہ قابلِ رشک بندہ	۸۸
خوشحالی چاہنے والی بیوی کو ابو الدرداءؓ کا جواب۔	۸۹
موت اور افلاس میں خیر کا پہلو۔	۹۰
عفیف اور عیالدار مفلس بندہ اللہ کا محبوب۔	۹۱
اپنی فاقہ زدگی اور محتاجی چھپانے والے بندہ سے اللہ کا وعدہ۔	۹۲
زہد اور اس کے ثمرات و برکات	۹۳
زہد اختیار کرو، اللہ کے اور بندوں کے محبوب بن جاؤ گے۔	۹۳
زاہدوں کی صحبت میں رہا کرو۔	۹۴
اللہ تعالیٰ کی طرف سے زاہد بندوں کو نقد صلہ۔	۹۵
خاصانِ خدا عیش و تنعم کی زندگی نہیں گزارتے۔	۹۷
جب کسی بندہ کو "شرح صدر" کی دولت نصیب ہو جاتی ہے، تو اس کی زندگی میں دنیا سے بے رغبتی اور فکرِ آخرت نمایاں اور غالب ہو جاتی ہے۔	۹۷
اس امت کے صلاح کی بنیاد یقین اور زہد ہے۔	۹۹
زہد کیا ہے اور کیا نہیں ہے؟۔	۱۰۱
زہدِ نبویؐ	
اپنے اور اپنے خاص متعلقین کیلئے حضورؐ کی فقر پسندی	۱۰۳
حضورؐ کی زندگی میں آپ کے گھر والوں نے کبھی دو دن متواتر جو کی روٹی سے بھی پیٹ نہیں بھرا۔	۱۰۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں جو تکلیفیں اٹھائیں، وہ کسی نے بھی نہیں اٹھائیں۔	۱۰۵
دو دو مہینے گذر جاتے تھے اور آپ کے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔	۱۰۶
آپ کے اور آپ کے گھر والوں کے مسلسل فاقے۔	۱۰۷
جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں گروی رکھی ہوئی تھی۔	۱۰۸
مسلمانوں کے ہوتے ہوئے کسی یہودی سے قرض لینے کی مصلحت۔	۱۰۹
خوشحالی کیلئے دعا کی درخواست پر حضرت عمرؓ کو آپ کا جواب۔	۱۱۰
آپ کا ارشاد کہ "میں اس دنیا میں اس مسافر	

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
کی طرح ہوں، جو سایہ لینے کے لئے کسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا ہو۔	۱۱۲
دولت اگر صلاح و تقوے کے ساتھ ہو تو وہ بھی اللہ کی نعمت ہے۔	۱۱۴
نیک مقاصد کیلئے دنیا کی دولت حاصل کرنے کی فضیلت	۱۱۶
معصیت کی زندگی کے ساتھ اگر کسی کو دنیا میں نعمتیں مل رہی ہیں تو یہ استدراج ہے۔	۱۲۱
کافروں فاجروں کی خوشحالی پر رشک نہ کرو۔	۱۲۲
کسی کی ظاہری خستہ حالی اور غربت کی وجہ سے اس کو حقیر نہ سمجھو۔	۱۲۴
بہت سے غریب اور خستہ حال ایسے ہیں کہ ان کی برکت اور دعا سے رزق ملتا ہے۔	۱۲۸
اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھ کر صبر و شکر کا سبق لیا کرو	۱۲۹
اگر حسنِ عمل کی توفیق ہو تو زندگی بڑی نعمت ہے	۱۳۱
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع نصیحتیں اور اہم وصیتیں۔	۱۳۷
[اس عنوان کے تحت صفحہ ۱۳۷ سے صفحہ ۱۶۳ تک ۱۶ حدیثیں ہیں، ہر حدیث ایک مستقل موعظۂ مؤثر خطبہ ہے]۔	
"کتاب الاخلاق"	
دین میں اخلاق کا درجہ۔	۱۶۴
خوش اخلاقی کی فضیلت و اہمیت۔	۱۶۵
اچھے اخلاق اور بُرے اخلاق	۱۷۲

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
رحمدلی و بے رحمی۔	۱۷۲
دوسروں پر رحم کھانے والے ہی اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں۔	۱۷۲
ایک شخص پیاسے کتے کو پانی پلانے پر ہی بخشا گیا۔	۱۷۳
اپنے پالے ہوئے جانوروں کے چارے پانی کی خبر گیری کا حکم، اور انہیں تکلیف دینے کی ممانعت۔	۱۷۵
چڑیوں اور چیونٹیوں تک کو ستانے کی ممانعت۔	۱۷۷
بلی کو باندھ کے بھوکا مار ڈالنے والی ایک سنگدل عورت دوزخ میں گئی۔	۱۷۸
کسی بدبخت ہی کا دل رحم کے مادہ سے خالی ہوتا ہے۔	۱۷۸
دل کی قساوت اور سختی کا علاج۔	۱۷۹
سخاوت اور بخل	۱۸۰
انتقام نہ لینا اور معاف کر دینا۔	۱۸۳
اللہ کو سب سے زیادہ عزیز وہ بندہ ہے جو بدلہ لینے اور ستانے کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کر دے۔	۱۸۵
خادم اور نوکر کو معافی دو، اگرچہ وہ ایک دن میں ستر دفعہ قصور کرے۔	۱۸۶
"احسان"	۱۸۷
اللہ کو سب سے پیارا وہ بندہ ہے جو اس کی مخلوق کیساتھ احسان کرے۔	۱۸۷
(ف) اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف ان بندوں سے ہوتا ہے جو کسی بڑے سنگین جرم کے مجرم نہ ہوں۔	۱۸۸
صرف احسان کرنے والوں کے ساتھ ہی احسان نہ کرو۔	۱۸۸
چھوٹے سے چھوٹے احسان کی بھی اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہے۔	۱۹۱

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
ایثار (ایثار کی حقیقت)	۱۹۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایثار کی ایک مثال۔	۱۹۳
ایک صحابی (ابو طلحہ) اور اُن کے گھر والوں کے ایثار کا ایک سبق آموز واقعہ اور اُس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت۔	۱۹۳
اُنس و محبت اور بیگانگی و عداوت	۱۹۶
مومن کو الفت و محبت کا مرکز ہونا چاہئے۔	۱۹۷
اللہ کے لئے محبت اور اللہ ہی کیلئے بغض و عداوت۔	۱۹۷
اللہ کے لئے محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت ہے۔	۱۹۸
اللہ کے لئے باہم محبت کرنے والے اللہ کے محبوب ہو جاتے ہیں۔	۱۹۸
صرف اللہ کے تعلق سے اُس کے ایک بندے کی زیارت کو جانے والے شخص سے فرشتہ کی ملاقات اور اللہ کی محبت کی بشارت۔	۱۹۹
اللہ کے لئے محبت کرنے والوں کا قیامت کے دن خاص امتیاز۔	۲۰۱
اللہ کے لئے محبت کرنے والے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں۔	۲۰۳
محبت ذریعۂ قرب و معیت۔	۲۰۴
محبت کی وجہ سے معیت کا مطلب۔	۲۰۷
محبت کے لئے اطاعت لازم۔	۲۰۷

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
دینی اخوت اور اسلامی ہمدردی	۲۱۰
مسلمانوں میں باہم کیسی محبت اور کیسا تعلق ہونا چاہئے۔	۲۱۰
باہم نفرت و عداوت، بغض و حسد اور بدگمانی و شماتت کی ممانعت۔	۲۱۳
اہل ایمان کو ستانے والوں اور رسوا کرنے والوں کو سخت تنبیہ۔	۲۱۵
حسد کے بارہ میں خاص انتباہ۔	۲۱۶
بغض و کینہ کی نحوست۔	۲۱۸
شماتت کی سزا۔	۲۱۹
نرم مزاجی اور درشت خوئی	۲۲۰
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی۔	۲۲۶
حلم و بردباری یعنی غصہ نہ کرنا اور غصہ کو پی جانا۔	۲۲۷
غصہ میں نفس پر قابو رکھنے والا حقیقی پہلوان ہے۔	۲۲۸
غصہ کے وقت کیا کیا جائے۔	۲۲۹
اللہ کے لئے غصہ کو پی جانے کی فضیلت اور اُس کا اجر۔	۲۳۱
حلم و بردباری اللہ کی محبوب صفات میں سے ہے۔	۲۳۲
اطمینان اور متانت سے کام کرنے کی فضیلت اور جلد بازی کی ممانعت۔	۲۳۳
میانہ روی۔	۲۳۵
خوش کلامی اور بدزبانی	۲۳۶
کم بولنا اور بُری اور فضول باتوں سے زبان کی حفاظت کرنا۔	۲۴۰

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
ترک مالا یعنی۔	۲۵۰
بخلوری۔	۲۵۱
غیبت اور بہتان۔	۲۵۳
دو رُخے پن کی ممانعت۔	۲۵۷
صدق و امانت اور کذب و خیانت	۲۵۹
تجارت میں صدق و امانت۔	۲۶۲
جھوٹ اور خیانت ایمان کے منافی ہیں۔	۲۶۳
جھوٹ کی گندگی اور سزا ہند۔	۲۶۴
جو تمہیں سچا جانے اُس سے جھوٹ بولنا بڑی سخت خیانت ہے۔	۲۶۴
جھوٹی گواہی۔	۲۶۵
جھوٹی قسم۔	۲۶۷
جھوٹ کی بعض خفی قسمیں۔	۲۷۰
خیانت کی بعض خفی قسمیں۔	۲۷۲
اختلاف اور فتنہ کو ختم کرنے کے لئے اپنی طرف سے کچھ کہدینا جھوٹ نہیں۔	۲۷۴
ایفاء وعدہ اور وعدہ خلافی	۲۷۵
تواضع و خاکساری اور غرور و تکبر	۲۷۹
شرم و حیا	۲۸۵
حیا کی خاص اہمیت اور اسکے معنی کی وسعت۔	۲۸۶

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
قناعت و استغنا اور حرص و طمع	۲۹۲
اصل دولتمندی دل کی دولتمندی ہے۔	۲۹۳
صبر و قناعت اللہ کی وسیع ترین اور عظیم ترین نعمت ہے۔	۲۹۶
دولت کی حرص کے بارے میں حکیم بن حزام کو حضورؐ کی نصیحت، اور اُن پر اُس کا شافی اثر	۲۹۷
حرص و طمع کی تباہ کاریوں اور رسوائیوں کے متعلق انتباہ۔	۲۹۸
حرص انسان کی بدترین خصلتوں میں سے ہے۔	۲۹۸
صبر و شکر	۲۹۹
پکے مومن کے لئے ہر حال میں خیر ہی خیر ہے، نعمت پر شکر کرے تو خیر ہے، مصیبت پر صبر کرے تو خیر ہے	۳۰۰
شروع صدمہ میں صبر کرنے والے کو رحمت کی بشارت	۳۰۱
جو اپنی مصیبت کسی پر ظاہر نہ کرے اُس کیلئے بخشش کا وعدہ ہے۔	۳۰۲
ایک نواسہ کی وفات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی صاحبزادی کو صبر کی تلقین۔	۳۰۳
آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں بلکہ رحمت ہے	۳۰۳
معاذ بن جبلؓ کے صاحبزادے کے انتقال پر اُن کے نام حضورؐ کا نہایت مؤثر اور ایمان افروز تعزیت نامہ	۳۰۴
امتِ محمدیؐ کے صبر و شکر کا سرچشمہ اُنکی عقلیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی خاص عطا ہے۔	۳۰۶

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
توکّل اُور رضا بالقضا	۳۰۷
توکل کی حقیقت۔	۳۰۷
توکل اُور ترکِ اسباب۔	۳۰۸
رضا بالقضا کا مطلب۔	۳۰۸
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کہ اپنی ضرورتوں کے لئے صرف اللہ پر نظر رکھو اُور اُسی سے اپنی حاجتیں طلب کرو۔	۳۱۳
ایک صحابی اُوراں کی بیوی سے سخت حاجتمندی کے وقت اللہ تعالیٰ سے رزق کی دعا کی، اُور اُن کو اُسی وقت خزانۂ غیب سے رزق ملا۔	۳۱۷
اللہ کے فیصلوں پر دل سے راضی رہنا بندے کی سعادت و خوش نصیبی ہے، اُور ناراض رہنا شقاوت و بدبختی ہے۔	۳۱۹
اخلاص و للّٰہیت اُور نام و نمود	۳۲۱
اخلاص کی حقیقت اُور اُس کی اہمیت۔	۳۰۱

عنوان یا مضمون کا اشاریہ	صفحہ
اخلاص کی برکت اُور تاثیر و طاقت (غار میں بند ہو جانے والے تین شخصوں کا واقعہ)۔	۳۲۳
ریا ایک درجہ کا شرک اُور ایک قسم کا نفاق ہے۔	۳۲۸
جس عمل میں شرک کی ذرا بھی آمیزش ہوگی وہ قبول نہ ہوگا۔	۳۳۱
ریاکاروں کو فضیحت و رسوائی کی سزا۔	۳۳۳
دین کے نام پر دنیا کمانے والے ریاکاروں کو سخت تنبیہ۔	۳۳۴
ریاکار عالموں اُور عابدوں کو سخت ترین عذاب۔	۳۳۵
قیامت کے دن دوزخ میں ڈالے جانے کا پہلا فیصلہ ریاکار عالم و عابد، ریاکار مجاہد و شہید اور ریاکار سخی کے بارے میں ہوگا۔	۳۳۶
اعمالِ صالحہ کی وجہ سے دنیا میں خود بخود اچھی شہرت ہو جانا اور اس کی وجہ سے لوگوں کا محبت و عزت کرنا کوئی بری بات نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔	۳۳۹

دیباچہ ـــــــــــــــ از مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اللّٰھم منک ولک

"معارف الحدیث" کی پہلی جلد (کتاب الایمان) ۱۳۷۳ھ میں شائع ہوئی تھی، دوسری جلد اب ۱۳۷۶ھ کے اواخر میں شائع ہو رہی ہے ـــــ پہلی جلد میں ایمان اور آخرت سے متعلق ایک سو چالیس حدیثوں کی شرح ہو چکی ہے اس دوسری جلد میں جو "کتاب الرقاق" اور "کتاب الاخلاق" پر مشتمل ہے، دو سو ساٹھ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

ناچیز مؤلف کا خیال ہے کہ ان حدیثوں کے بعد جن کا تعلق ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرۃ سے ہے دینی و روحانی تربیت اور تعمیر سیرت میں سب سے زیادہ مؤثر وہ حدیثیں ہوتی ہیں جن کو حضرات محدثین اپنی کتابوں کے ابواب رقاق اور ابواب اخلاق میں درج کرتے ہیں، اسی بنا پر اس ناچیز نے اس دوسری جلد میں انھی حدیثوں کو مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

اس جلد میں شروع حدیثیں سلسلۂ رقاق کی ہیں، اور باقی ایک سو ساٹھ سلسلۂ اخلاق کی ـــــ رقاق سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات، وہ خطبات و مواعظ اور آپ کی زندگی کے وہ حالات و واقعات ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے دل میں رقت و خشیت اور گداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور دنیا کی وقعت نظر میں کم ہوتی اور آخرت کی فکر بڑھتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیوی زندگی میں ایک مومن کا مطمح نظر اور نصب العین کیا ہونا چاہیے، اور کس طرح یہاں اس کو زندگی بسر کرنا چاہیے، کن چیزوں سے دل لگانا چاہیے، اور کن چیزوں کی طرف سے دل اور نگاہ کو ہٹانا چاہیے۔

انسانی وجود میں سب سے اہم اور اصل کارفرما عنصر یا وہ قوت ہے جس کو قلب یا دل کہا جاتا ہے، اس کا رُخ اگر صحیح ہو تو انسان کی پوری زندگی صحیح رُخ پر چلتی ہے، اور اس کا رُخ غلط ہو جائے تو پوری زندگی غلط ہو جاتی ہے رقاق کی حدیثوں کا خاص موضوع اور خاص کام یہی ہے کہ وہ دل کے رُخ کو صحیح کرتی ہیں، اور دل کا رُخ صحیح ہو جانے کے بعد ہی وہ اعلیٰ اخلاق پیدا ہو سکتے ہیں جن سے آراستہ ہو کر انسان خلیفۃ اللہ بنتا ہے، اور جن کا انسانی معاشرہ میں مکمل طور سے پیدا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کا اہم مقصد بتلایا ہے (اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ) ـــــ بہرحال ناچیز نے اپنے اسی خیال کی بنا پر اس دوسری جلد میں "رقاق" اور "اخلاق" کی حدیثوں کو مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

پہلی جلد کی طرح اس دوسری جلد کی حدیثیں بھی عموماً مشکوٰۃ المصابیح سے لی گئی ہیں۔ چند حدیثیں جمع الفوائد سے بھی لی گئی ہیں اور ان کی تخریج میں بھی انھی دونوں کتابوں کے مؤلفین پر اعتماد کیا گیا ہے۔ صرف دو چار حدیثیں ایسی بھی ہیں جو صحاح کی اُن ہی کتابوں سے لی ہیں جن سے ان کی تخریج کی گئی ہے۔

ف ۱ میرا کام یہی سمجھا گیا ہوں کہ میں نے ذریعہ مکارم الاخلاق کی تکمیل ہو۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۵ بحوالہ موطا امام مالک وغیرہ)

جو حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے لی گئی ہیں وہ اگرچہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہوں لیکن صاحب مشکوٰۃ کے طریقہ پر اُن حدیثوں کی تخریج میں صرف ان ہی دو کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے، کیونکہ کسی حدیث کا ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی ہونا اس کے صحیح اور مقبول ہونے کی ضمانت کے لئے کافی ہے

احادیث کی ترتیب، ترجمہ و تشریح اور تعلیقات میں وہی رعایتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں اور ان ہی اصولوں کی پابندی کی گئی ہے جن کا ذکر پہلی جلد کے دیباچہ میں کیا جا چکا ہے اس لئے اب یہاں اُن کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس دوسری جلد پر مقدمہ رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے جس میں انھوں نے حدیث و سنت کی اہمیت پر ایک بالکل نئے انداز میں گفتگو کی ہے اور اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ایک نئی راہ کھولی ہے۔

اُمید ہے کہ جو لوگ ایمان اور عقلِ سلیم کی دولت سے بالکل محروم نہ کر دیئے گئے ہوں گے اُن کو مقدمہ کے ان چند صفحات کے مطالعہ سے یہ یقین انشاء اللہ ضرور حاصل ہو جائے گا کہ حدیث و سنت کی محفوظیت کا انکار اور اس کے بارے میں بے اعتمادی پھیلانے کی کوشش اسلام کے ساتھ بدترین دشمنی ہے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گذارش یا وصیت

پہلی جلد کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے ——— کہ حدیث نبویؐ کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رُشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے، نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کیا جائے۔ اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا یا سُنا جائے کہ گویا حضور اقدسؐ کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں، اور آپؐ فرما رہے ہیں اور ہم سُن رہے ہیں ——— اگر ایسا کیا گیا تو قلب و رُوح کو اُن انوار و برکات اور اُن ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہد نبویؐ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست اُن حیاتی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔

آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے، اور اس خدمت کے اتمام کے لئے اُس سے حسنِ توفیق کی استدعا اور گمناہوں کی معافی کی التجا۔

اللہ کی رحمت اور اُسکے بندوں کی دُعاؤں کا محتاج و طلبگار
عاجز و گنہگار بندہ
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ
ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ

مقدمہ

(از: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت و تعلیم کے مقاصد و نتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں، وہاں صراحۃً ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے:——

(۱) تلاوتِ آیات (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیۂ نفوس

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (الجمعہ ۱۶)

وہی ہے جس نے اَن پڑھوں میں ایک رسول اُنھیں میں سے مبعوث فرمایا جو اُن پر اُسکی آیتیں پڑھتا ہے اور اُنھیں پاک کرتا ہے اور اُنھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے، اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَكِّیْكُمْ وَیُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ —— (البقرہ ۱۵۱)

جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا، جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمھیں پاک کرتا ہے، اور تمھیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے، اور تمھیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

درحقیقت بعثتِ محمدیؐ ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بطرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، نیا علم و حکمت عطا کیا، اسی طرح نئے اخلاق، نئے جذبات، نئی کیفیات، نیا یقین و ایمان، نیا ذوق و شوق، نئی بلند نظری، نیا جذبۂ ایثار، نیا شوقِ آخرت، نیا جذبۂ زہد و قناعت، دنیا کی متاعِ حقیر اور دولتِ فانی کی تحقیر، نئی محبت و الفت، حسنِ سلوک و ہمدردی، ہر دو مواسات، مکارمِ اخلاق اسی طرح سے نیا ذوقِ عبادت، خوف و خشیت، توبہ و انابت، دعا و تضرع کی دولت عطا فرمائی۔ اور انہیں خصوصیات کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے لفظ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے۔ صحابۂ کرام ان مقاصد و نتائجِ بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے۔ اگر ان شعبہ ہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گر دیکھنا ہو تو صحابۂ کرام کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت و تعلیم ان تمام سعادتوں کا سرچشمہ تھی، اور اسی سے یہ پوری زندگی اور قرنِ اوّل کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا، لیکن اگر اس کے طریقِ عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع و وسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس محیر العقول انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر و ارکان یہ تین چیزیں تھیں،

(۱) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی، آپ کی زندگی و سیرت و اخلاق

(۲) قرآن مجید

(۳) آپ کے ارشادات و ہدایات، مواعظ و نصائح اور تعلیم و تلقین

اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ بعثتِ نبویؐ کے مقاصد و نتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر و تشکیل میں ان تینوں عناصر و ارکان کا دخل ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی، اور ایک ایسی ہیئتِ اجتماعی جس میں عقائد، اعمال، اخلاق، جذبات، اذواق، رجحانات، تعلقات سب ہی موجود ہوں وجود میں نہیں آسکتی۔ زندگی کے لئے زندگی شرط ہے، یہاں دیئے سے دیا جلتا ہے۔ صحابۂ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد و اعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق، اور اس سب کے ساتھ جو اعلیٰ اذواق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات تعلق ہیں وہ

تنہا تلاوتِ کتاب کا نتیجہ نہیں، بلکہ اُس کامل ترین، موثر ترین، محبوب ترین زندگی کا بھی اثر ہے جو شب و روز اُن کے سامنے رہتی تھی۔ اُس سیرت و اخلاق کا بھی نتیجہ ہے جو اُن کی آنکھوں کے سامنے تھے اور اُن مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اور اُن ارشادات و نصائح و تلقین کا بھی جس سے وہ حیات طیبہ میں برابر مستفید ہوتے تھے۔ اس سب کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاجِ خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد و ضوابط اور اُن کی قانونی پابندی نہ تھی، بلکہ اُن پر عمل کرنے کے محرکات و ترغیبات، اور عمل کی صحیح کیفیات اور رُوح بھی تھی حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے دقائق بھی تھے۔

انھوں نے قرآن مجید سے "اقامتِ صلوٰۃ" کا حکم پایا تھا اور "اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ" کی تعریف بھی سُنی تھی، مگر انھوں نے اس کی صحیح کیفیت اُسی وقت معلوم کی جب آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں، اور آپ کے رکوع و سجود کی کیفیت دیکھی جس کو انھوں نے "لَهٗ اَزِیْزٌ کَاَزِیْزِ الْمِرْجَلِ" (ہم آپ کے سینہ کی آواز اس طرح سُنتے تھے جیسے ہنڈی میں اُبال آتا ہے) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ انھوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مومن کا ایک محبوب فعل ہے، لیکن جب تک انھوں نے زبانِ نبوی سے "قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ" (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور بیقراری اور انتہائے شوق و اضطراب کے ساتھ "اَرِحْنِیْ یَا بِلَالُ" (بلال! اذان دے کر مجھے آرام پہونچاؤ) نہیں سُنا، اُن کو نماز کے ساتھ اُس عشق و شغف کا اندازہ نہیں ہوا۔ اسی طرح جب تک انھوں نے خاصانِ اُمت کے سلسلہ میں "وَقَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِی الْمَسٰجِدِ حَتّٰی یَعُوْدَ اِلَیْهِ" (اُن کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد نہیں آتے اُن کو چین نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سُنے اُن کو مسجد اور قلبِ مومن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہوسکا۔ انھوں نے قرآن مجید میں بار بار دُعا کی ترغیب دیکھی تھی، دُعا نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سُنا تھا۔ اور تضرع و ابتہال (گریہ وزاری اور الحاح و اصرار) کے الفاظ و مفہوم سے بھی وہ آشنا تھے، لیکن اس کی حقیقت انھوں نے اُس وقت جانی جب انھوں نے میدانِ بدر میں آپ کو خاک پر سر رکھے یہ الفاظ کہتے سُنا کہ "اَللّٰهُمَّ اُنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ

اَللّٰھُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ[1] (اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں اے اللہ اگر تو چاہے (اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کرنا) تو تیری عبادت نہ ہوگی) اور بیقراری کی وہ کیفیت۔ کبھی جو حضرت ابوبکرؓ سے نہ دیکھی جا سکی یہاں تک کہ انھوں نے عرض کیا "حَسْبُكَ" (یا رسول اللہ کافی ہے) اُن کو معلوم تھا کہ دُعا کی رُوح، بندگی اور اپنی عجز و درماندگی کا اظہار ہے۔ اور جس دُعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اُسی قدر وہ دُعا قیمتی ہے، لیکن بندگی اور عجز و درماندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی جب انھوں نے عرفات میں آپؐ کو یہ کہتے سُنا:۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِيْ	اے اللہ تو میری بات کو سُنتا ہے اور میری
وَتَرٰى مَكَانِيْ وَتَعْلَمُ سِرِّيْ	جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو
وَعَلَانِيَتِيْ لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ	جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں
شَيْءٌ مِّنْ اَمْرِيْ وَاَنَا الْبَائِسُ	رہ سکتی، میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں،
الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ	فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں،
الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ	ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنیوالا ہوں
الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِيْ	اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال
اَسْاَلُكَ مَسْاَلَةَ الْمِسْكِيْنِ	کرتا ہوں، جیسے مسکین سوال کرتے ہیں، تیرے
وَاَبْتَهِلُ اِلَيْكَ اِبْتِهَالَ	آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار، ذلیل و خوار
الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ	گڑگڑاتا ہے، اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے
وَاَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ	خوف زدہ، آفت رسیدہ طلب کرتا ہے، اور جیسے
الضَّرِيْرِ، وَدُعَاءَ مَنْ	وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے
خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهٗ	سامنے جھکی ہو، اور جسکے آنسو بہہ رہے ہوں

---

[1] بخاری جلد ثانی کتاب المغازی - ۱۲

وَفَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهُ وَذَلَّ	اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کیے
لَكَ جِسْمُهُ وَرَغِمَ لَكَ	ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو اے
اَنْفُهُ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنِيْ	اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ
بِدُعَائِكَ شَقِيًّا وَّكُنْ لِّيْ	رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان غایت
رَءُوْفًا رَّحِيْمًا، يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ	رحم کرنے والا ہو جا، اے سب مانگے جانے والوں سے
يَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ[1]	بہتر اور اے سب دینے والوں سے اچھے

انھوں نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقتی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا، اور مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ (دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ ہے، اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ اُن کو یاد تھے، مگر اُس کی حقیقت اور علمی تفسیر ان کو آپ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی اور آپ کے طرزِ زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے، اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے[2]۔ اس عملی نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشاداتِ نبوی میں جہنم کے شدائد و مصائب اور جنت کے انعامات و لذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو انکے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی اور ان دونوں کا نقشہ اُنکی آنکھوں کے سامنے ہر وقت کھنچا رہتا۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خلق، رفق، جیسے اخلاق و تعلیمات کے مفہوم سے آشنا تھے، صاحب زبان بھی تھے اور قرآن مجید میں صاحب نظر بھی تھے، لیکن ان الفاظ کی وسعت، عملی زندگی میں ان کی تطبیق، نیز صحیح عمل، ان کو صرف اُس وقت معلوم ہوا جب اُنھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کمزوروں، عورتوں، بچوں، یتیموں، غریبوں، بوڑھوں اور اپنے عام رفقاء و اصحاب، اہلِ خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا اور آپ کی اس بارے میں ہدایات، وصیتیں اور ارشادات سنے، اُن کو عامۃ المسلمین کے حقوق ادا کرنے کی اجمالی ہدایت قرآن سے مل چکی تھی مگر

---

[1] کنز العمال عن ابن عباس

[2] ملاحظہ ہو معارف الحدیث جلد دوم حصہ کتاب الرقاق زیر عنوان "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی"۔

اسکی بہت سی صورتیں (مثلاً عیادتِ مریض، اتباعِ جنائز، تشمیتِ عاطس وغیرہ وغیرہ) ایسی تھیں جو شاید فاکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں، اور اگر آتیں تو اُن کی اہمیت نہ معلوم ہوتی، اسی طرح والدین اور اہلِ حقوق کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد و مد کے ساتھ ہے مگر کتنے معلمین اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک و ادائے حقوق کے اُس رفیع و بدیع مقام تک پہونچا جس کا اظہار حدیثِ نبوی اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ بِرُّ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُوَلِّيَ (لڑکے کا باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک و فاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اپنے والدین کے انتقال کے بعد اُنکے دوستوں اور اہلِ محبت کے ساتھ سلوک کرے) اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس مقامِ بلند تک پہونچ سکتے جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے، دَرُّ بَغَاذَ ثُمَّ الْغَاةَ ثُمَّ يَقْطَعُهَا فِيْ صَدَائِقِ حَذِيْجَةَ (اور بکثرت ایسا ہوتا کہ آپ کے یہاں بکری ذبح ہوتی تو آپ اس کے بازو الگ الگ کراتے، پھر وہ ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے)۔

حدیث کے شعبۂ معاشرت و اخلاق کی یہ وہ تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے اور کیسا اعلیٰ علم عطا کرتی ہے، اور وہ انسانیت کے لئے کیسا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب و ادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح رُوح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کیلئے کافی نہیں ہوتا اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو مؤثر اور منتج بنانے کے لئے درکار ہے مثال کے طور پر اقامتِ صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت، اصول اور فضا نہیں پیدا کر سکتا جو نماز کی رُوح و جسم کی حفاظت، اس کی پابندی اور اس کے صحیح رُوحانی، ذہنی، تعلیمی، اجتماعی اور اخلاقی نتائج و اثرات کے برئے کار آنے کے لئے معاون و مددگار ہے، اس کے لئے ان مبادی و مقدمات، آداب و ہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو مہتم بالشان، وقیع و مؤثر بنائیں، اسی نماز پر نماز کے لئے خود قرآن مجید میں وضو، طہارت، شعورِ تعقل، خشوع و خضوع، سکوت و خموشی اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اہلِ نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری و قابلِ عمل حد تک جس قدر آداب و فضائل اور خارجی استعانات کا اضافہ ہوگا وہ فضا اور ماحول تیار ہوگا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور رُوحانی و اجتماعی و اخلاقی اثرات ظاہر کرے گی، اور حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والا

ان پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے عمل اور آپ کے ارشادات و ہدایات نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیۂ نفس، تربیتِ اخلاق اور توجہ الی اللہ و انقطاع عن الخلق، نیز اُمّت کی تعلیم و تربیت اور نظم و وحدت کا موثر ترین ذریعہ بن گئی ہے۔ مثلاً وضو کی نیت و فضیلت اور اس کا استحضار، مساجد کی طرف جانے اور اس کے راستہ میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت، راستہ کی دُعا، مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر، تحیۃ المسجد یا سنن راتبہ، نماز کے انتظار کی فضیلت اور بیٹھنے کا ادب، جماعت کا ثواب، اذان و اقامت کا ثواب، امامت کی فضیلت و منصب، اس کے احکام، امام کے اتباع کی تاکید، صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والوں کی ترتیب، مساجد میں تعلیم و تعلّم کے حلقوں کی فضیلت، ذکر کے حلقوں کی فضیلت، مسجد سے نکلنے کا ادب اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب و ہدایات کے علم و عمل سے نماز کتنی اہتمام بالشان چیز اور تزکیہ و اصلاح، تعلیم و تربیت اور رعایت و توجہ الی اللہ کا کیسا موثر ذریعہ بن جاتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ آنحضرتؐ کی نمازوں کی کیفیت، نوافل کے ذوق، قرآن مجید پڑھنے میں رقت و محویت کے واقعات کا (جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں) اضافہ کیجئے، اس مجموعہ سے اُمّت کی نماز کس مقام تک پہونچ جاتی ہے اور اس کے لئے کیسا ذہنی اور رُوحانی ماحول تیار ہوتا ہے۔ صوم و زکوٰۃ و حج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے، اور حدیث سے ان کے آداب، فضائل، معمولاتِ نبویؐ اور واقعاتِ زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہئے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب، فضائل اور واقعات سے مجرّد و منقطع کر لیا جائے اور ان کو اس ماحول سے جُدا کر لیا جائے جو حدیث ان کے لئے تیار کرتی ہے (اور جو اب حدیث کی بنا پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے) تو ان کی تاثیر کہاں تک باقی رہتی ہے، اور ان میں جذبات کو اُبھارنے، ذوق و شوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب و دماغ کو غذا اور جِلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرہ کی تعمیر کی (جس کے اندر عبادت و تقویٰ و دانائیت کی رُوح سرایت کئے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور ارشادات و ہدایات (جن کے مجموعہ کا نام حدیث و سنّت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول تیار کرتے ہیں جس میں دین کا پودہ سرسبز و بارآور ہوتا ہے۔ دین کسی خشک اخلاقی

ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں۔ وہ جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر کی ذات سے متعلق اور اس کے حالاتِ زندگی سے ماخوذ ہو۔ یہودی اور عیسائی نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اسلئے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے کہ اُن کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں تھا، اور ان مذاہب کو وہ ماحول اور فضا میسر نہیں تھی جس میں پیروانِ مذاہب دینی نشو و نما و ترقی حاصل کرتے اور مادیت و الحاد کے حملوں سے محفوظ رہتے۔ انھوں نے بالآخر اس کی ضرورت تسلیم کر کے اس خلا کو پیروانِ مذاہب نے پیرانِ طریقت کے واقعات و ملفوظات سے پر کیا، مگر اس "خانہ پری" نے رفتہ رفتہ مذاہب کو بدعات و رسوم اور نئی نئی تفسیروں کا ایسا مجموعہ بنا دیا جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہو کر رہ گئی۔ ان مذاہب اقوام کی اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعات زندگی کے بارے میں بے بضاعتی و تہی دامنی اب ایک مسلمہ تاریخی حقیقت بن گئی ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے[1]۔ اسلام کے آخری اور عالمگیر مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا جس ذہنی و روحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابۂ کرامؓ نے زندگی گزاری حدیث کے ذریعہ اس پورے ماحول کو قیامت تک کیلئے محفوظ کر دیا گیا۔ بعد کی نسلیں اور صدیوں کے ایک آدمی کے لئے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کر کے بلکہ اُس ماحول میں پہنچ جائے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس موجود ہیں، جہاں رسول اللہ مصروفِ تکلم اور صحابہؓ گوش بر آواز ہیں، جہاں احکام کے ساتھ عمل کی شکلیں اور عمل کی شکلوں کے ساتھ جذبات و کیفیات کے سانچے بھی نظر کے سامنے ہیں، جہاں اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایمان کس طرح کے اعمال و اخلاق اور یقینِ آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک دریچہ ہے جس سے رسول اللہ کی خانگی زندگی، آپ کے گھر کا نقشہ، آپ کے دن رات کے معمولات، آپ کے گھر والوں کی معاشرت و معیشت اپنی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ آپ کے سونے کی کیفیت آنکھوں سے اور آپ کی دعا و مناجات کا زمزمہ کانوں سے سنا جا سکتا ہے۔ پھر یہ آنکھیں آپ کی آنکھوں کو اشکبار اور قدم مبارک کو متورم دیکھیں اور زبان پوچھنے اور سوال کرنے پر یہ آواز سنیں کہ۔ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا (کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟) وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں، جن آنکھوں نے کاشانۂ نبوت میں دو دو مہینے چولھا گرم ہوتے نہیں دیکھا

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (خطبات مدراس خطبہ تاریخیت۔ ۱۲

جنھوں نے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا دیکھا اور پشت پر مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے جس نے سونے سے پہلے بیقراری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہ خدا میں خرچ ہوتے دیکھا جس نے مرض وفات میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے دیکھا، اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے ابھر نہیں سکتا؟ جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت، اپنے بچوں کے ساتھ محبت، اپنے خادموں کے ساتھ رعایت اپنے رفقا کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا، وہ کہاں اخلاق اور انسانیت کاملہ کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے جائے گا ——— پھر اس ماحول میں صرف کاشانۂ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے بلکہ صحابۂ کرامؓ کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں، اور ان کے گھروں کی زندگی و معاشرت، ان کے دنوں کی تپش، ان کی شبوں کا گداز، ان کی بازاروں کی مصروفیت اور مسجدوں کی فراغت، ان کی بے نفسی و للّٰہیت اور ان پر نفس انسانی کے حملے، ان کا انقیاد کامل اور ان کی بشری لغزشیں سب عیاں ہیں یہاں حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گزرتا ہے اور کعب بن مالکؓ کے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے غرض یہ ایک ایسا طبعی و قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات و حقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کے ساتھ موجود ہے، اور حدیث نے اس کا پورا عکس لیکر قیامت تک کے لئے دورِ نبویؐ کو محفوظ کر دیا ہے ——— قرآن مجید کے ساتھ عہدِ نبویؐ کی اس تصویر کا باقی رہنا اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا اسلام کا ایک اعجاز اور ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی اُمت اس کی شریک و سہیم نہیں۔ ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور عمل کے جذبات و محرکات اور قلب و دماغ کو غذا فراہم کرنا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے۔ تدوینِ حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دورِ متاخر کی کوئی مستحدث چیز نہیں ہے صحابۂ کرامؓ کا عہد نبویؐ ہی میں کتابت حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کر لینا پھر بعض کے آخر دور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ہر زمانہ خواہ ابتدا ہو یا ترکستان کے طالبین علم کے سمرقند کا آنا، اس کا جمع و حفظ حدیث سے عشق و شغف، ان کا غیر معمولی حافظہ ان کا عزم و عالی ہمتی، پھر اسماء و رجال و فن روایت کے مجتہدین کا پیدا ہونا، ان کو کل کا کل اہم

اور بصیرت کاملہ حاصل تھی۔ پھر ان کا انہماک و خود فراموشی، پھر اُمت کی حدیث کی طرف توجہ اور اس کی عالم اسلام میں مقبولیت اور اشاعت[1] یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس صحیفۂ زندگی کو محفوظ کرنا مقصود تھا۔ اسی کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد و تسلسل باقی رہا اور اُمت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی، ذوقی، علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرامؓ کو براہ راست حاصل ہوئی تھی، اس طرح جہاں عقائد و احکام ہی میں "توارث" کا سلسلہ جاری نہیں رہا، بلکہ ذوق و مزاج میں بھی توارث کا سلسلہ جاری رہا حدیث کے اثر سے عہد صحابہؓ کا "مزاج و مذاق" ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا، اور اُمت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں بتلایا جا سکتا جس میں "مزاج و مذاق" یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو۔ ہر دور میں ایسے افراد ہیں جو صحابہؓ کرامؓ کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جا سکتے ہیں۔ وہی جلالت کا ذوق، وہی تقویٰ و خشیت، وہی استقامت و عزیمت، وہی تواضع و احتساب نفس، وہی شوق آخرت، وہی دُنیا سے بے تعلقی، وہی جذبۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، وہی بدعات سے نفرت اور جذبۂ اتباع سنت، جو حدیث کے مطالعہ و شغف کا نتیجہ ہے یا اُن لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے جنھوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی ہو، اور اس میراث نبوی سے حصہ پایا ہو۔ اُمت کا یہ ذہنی و مزاجی توارث قرن اوّل سے اس چودھویں صدی ہجری کے عہد انحطاط و مادیت تک برابر قائم ہے۔ اور سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور امام احمد بن حنبل سے لیکر مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا سید عبد اللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہم تک کی زندگی اور سیرت و اخلاق میں ان کا پرتو صاف نظر آتا ہے اور جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی ہے اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری اور اس کے ذریعہ سے عہد صحابہؓ کا اصول محفوظ ہے۔ دین کا یہ صحیح مزاج و مذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر، سنت کا اثر رسوم و رواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے باقی رہے گا اور کبھی اس اُمت کو دنیا پرستی، سرتاپا مادیت، انکار آخرت اور بدعات و تحریفات کا پورے عہد پر شکار نہیں ہونے دیگا بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس اُمت میں اصلاحی و تجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبردار اور سنت و شریعت کے فروغ کے لئے کمر بردوش رہے گی، جو لوگ اُمت کو زندگی، ہدایت اور

URD 297.13 MUH L10578

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی فاضلانہ تصنیف "تدوین حدیث"

قوت کے اس سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرے کی طرف سے بے اعتمادی اور شک و ارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہونچا رہے ہیں اور اس کو کس عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کر رہے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ اس اُمت کو اُسی طرح سے "محروم الارث" منقطع الاصل اور آوارہ کر دینا چاہتے ہیں جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں یا حوادثِ روزگار نے ان عظیم مذاہب کو کر دیا۔ اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا، اسلئے کہ پھر اس "مزاج و مذاق" کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابہؓ کا امتیاز تھا، اور جو یا تو کامل طور پر براہِ راست صحبتِ نبویؐ سے پیدا ہو سکتا ہے یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیاتِ نبویؐ کا بولتا چالتا روزنامچہ ہو اور جس میں عہدِ نبویؐ کی کیفیات بسی ہوئی ہیں۔

ہندوستان میں ہر دور میں قرآن مجید کے ترجمہ کیساتھ حدیث کے ترجمہ اور اس کی ترتیب و اشاعت کا کام جاری رہا۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے یہاں سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مشکوٰۃ کا فارسی میں ترجمہ و تشریح کی جو (اشعۃ اللمعات) کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ فارسی کا دور ختم ہو جانے کے بعد غالباً سب سے پہلے مولانا نجم علی صاحب رامپوریؒ (۱۲۸۱ھ) نے امام صغانی کی مشہور کتاب "مشارق الانوار" کا ترجمہ مع تشریح اُردو میں "تحفۃ الاخیار" کے نام سے کیا، اس کے بعد خاندانِ ولی اللّٰہی کے شاگرد رشید نواب قطب الدین خانؒ (م ۱۲۸۹ھ) نے مشکوٰۃ کا اُردو میں ترجمہ ضروری تشریح کیساتھ "مظاہر حق" کے نام سے لکھا جو اپنی تحقیق، ترجمہ کی پختگی اور صحت اور اپنے مصنف کے اخلاص کی وجہ سے بہت مقبول ہوا۔ اس دور کے ختم ہو جانے کے بعد اُردو میں حدیث کے متعدد نئے مجموعے شائع ہوئے، جن میں مولانا احمد ابراہیم آروی کا مجموعہ "طریق النجاۃ" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے ——— ہمارے اس زمانے میں اُردو میں حدیث کی خدمت کا ایک کام اعلیٰ پیمانے اور وسیع پیمانے پر مولانا بدر عالم صاحب کر رہے ہیں، ان کی زیرِ تالیف کتاب "ترجمان السنۃ" کی تین جلدیں تیار ہو کر شائع ہو چکی ہیں، ہماری نظر میں یہ اس سلسلہ کی ایسی فاضلانہ کتاب ہے کہ علماء اور اصحابِ درس بھی اس سے استفادہ کر سکیں گے لیکن اُردو میں حدیث کی قدیم و جدید ان سب خدمتوں کے ہوتے ہوئے ضرورت تھی کہ اس

عہد انقلاب اور اس کی ضرورتوں اور ذہنی خصوصیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے متوسط درجہ کے لوگوں کے لئے (جن کے پاس وقت بھی کم ہے اور بڑی علمی استعداد بھی نہیں رکھتے) حدیث کا ایک متوسط درجہ کا مجموعہ مرتب کیا جائے اور احادیث کے انتخاب، ترتیب اور تشریح میں اس مقصد کو خاص طور سے ملحوظ رکھا جائے کہ ذہن کے اذعان اور قلب کو اطمینان حاصل ہو اور زندگی کے بگاڑ کی اصلاح ہو ——— نیز اس کی بھی ضرورت تھی کہ احادیث کے سلسلہ میں اس دور میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں اور بعض مرتبہ بعض سلیم طبیعتیں بھی مزید تشفی کی طالب ہوتی ہیں ان کو بھی حل کیا جائے۔ یہ کام وہی کر سکتا تھا جو ایک طرف رسوخ فی الدین اور رسوخ فی العلم کی دولت سے بہرہ یاب ہو دینی حقائق پر غیر متزلزل ایمان رکھتا ہو اور اس کو ہر دینی حقیقت پر علمی و ذہنی طور پر بھی شرح صدر ہو، اس سب کے ساتھ دعوت و تبلیغ اور اختلاط و اجتماع اور مطالعہ کے ذریعہ اس عصر کی افتاد طبیعت اور دماغی ساخت سے بھی واقف ہو نئے فتنوں اور تحریکات سے بھی بے خبر نہ ہو اور اپنے عہد علم، وسیع مطالعہ، وسیع تجربہ اور خداداد فہم و قوت استدلال سے احادیث کی ترجمانی اور نئے ذہن کی تشفی کی صلاحیت رکھتا ہو۔

یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق تھی کہ اس نے اس اہم اور نازک کام کے لئے رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کو منتخب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے دینی و علمی کاموں کی توفیق عطا فرمائی ہے لیکن میری نظر میں ان کے تمام کاموں میں اس کام کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اور مجھے بھی اس کی سعادت حاصل ہوئی ہے کہ میں مولانا سے اس کام کی تکمیل کا تقاضا کروں۔ اس وقت ان کی کتاب "معارف الحدیث" کی (دوسری جلد) قارئین کے سامنے ہے، جس میں زہد و رقاق اور اخلاق سے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو مرتب کر کے اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جن سے بڑھ کر اصلاح قلوب، تزکیۂ نفوس اور تربیت اخلاق کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کے بعد دنیا کے ادب میں موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی صحت و زندگی میں برکت عطا فرمائے کہ وہ اس اہم سلسلہ کو جلد از جلد مکمل کر لیں۔

ابوالحسن علی ندوی

(۲۴ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ)

مرکز دعوت و اصلاح تبلیغ لکھنؤ

معارف الحدیث

جلد دوم

کتاب الاخلاق

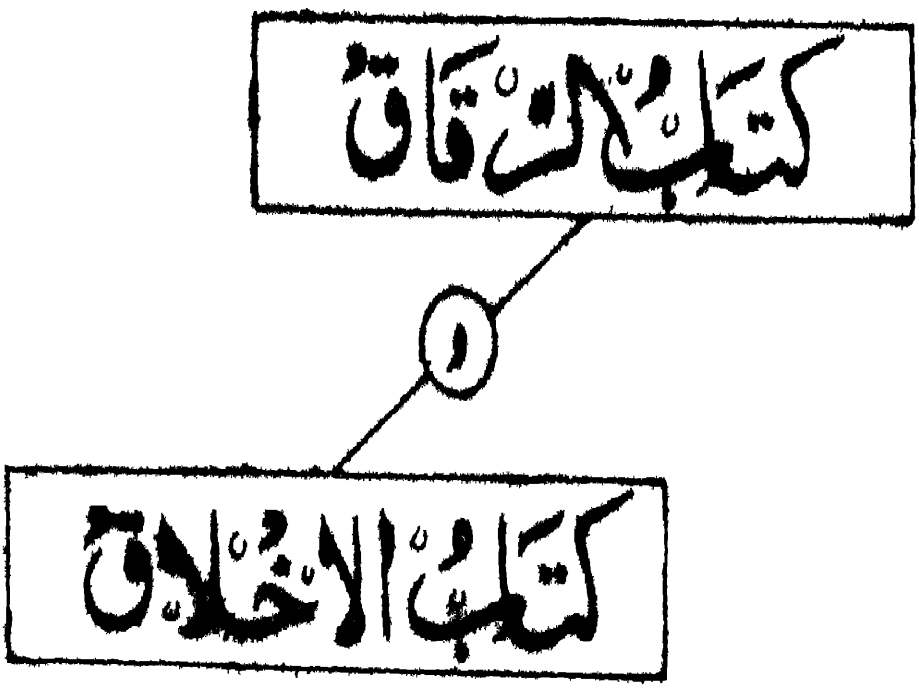

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَھَا وَوَعَاھَا وَاَدَّاھَا

فَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ غَیْرُ فَقِیْہٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ اِلٰی

مَنْ ھُوَ اَفْقَہُ مِنْہُ ——————

(رواہ الترمذی وابوداؤد عن زید بن ثابت)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ——————

اللہ تعالیٰ اپنے اُس بندے کو شاد و شاداب رکھے جو میری بات سُنے، پھر اُسے یاد کرلے اور محفوظ رکھے اور دوسروں تک اسے پہونچائے۔ پس بہت سے لوگ فقہ (یعنی علم دین) کے حامل ہوتے ہیں مگر خود فقیہہ نہیں ہوتے۔ اور بہت سے علم دین کے حامل اس کو ایسے بندوں تک پہونچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہہ ہوں —————— (جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

کیسے خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سینہ یا سفینہ میں محفوظ رکھیں، اور دوسروں کو سُنا کر اور پہونچا کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اِس دُعا کے مصداق بنیں ——————

اللہ تعالیٰ اِس کتاب کے ناظرین کو اس خیرِ عظیم میں حصّہ لینے کی توفیق دے!

کِتَابُ الرِّقَاق

حدیث کی کتابوں میں جس طرح کتابُ الایمان، کتابُ الصلوٰۃ، کتابُ الزکوٰۃ، کتاب النکاح، کتاب البیوع وغیرہ عنوانات ہوتے ہیں، جن کے تحت اِن ابواب کی حدیثیں درج کی جاتی ہیں، اسی طرح ایک عنوان "کتابُ الرّقاق" کا ہوتا ہے، جس کے ذیل میں وہ حدیثیں درج کی جاتی ہیں جن سے دل میں رقّت اور گداز کی کیفیت پیدا ہو، دنیا سے دلبستگی کم ہو، اور آخرت کی فکر بڑھے، اور آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخروی فلاح کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے، اسکے علاوہ اسی عنوان کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤثر خطبات و نصائح اور مواعظ بھی درج کئے جاتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ حدیث کے ذخیرے میں سب سے زیادہ مؤثر اور زندگی کے رُخ کو بدلنے کی سب سے زیادہ طاقت رکھنے والا حصہ یہی ہوتا ہے، جو کُتبِ حدیث میں "کتابُ الرّقاق" کے زیرِ عنوان درج ہوتا ہے، اِسلئے اس کی خاص اہمیت ہے، اور کہا جاسکتا ہے کہ حقیقی اسلامی تصوّف کی یہی اساس و بنیاد ہے۔

ہم اِس سلسلہ کو اُن حدیثوں سے شروع کرتے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا خوف و خشیت اور آخرت کی فکر دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے، یا کسی عنوان سے اُس کی فضیلت اور اہمیت بیان فرمائی ہے۔

دعا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن ارشادات کے جو اثرات اُن خوش نصیب اہل ایمان کے قلوب پر پڑتے تھے جنھوں نے سب سے پہلے خود حضورؐ کی زبانِ مبارک سے یہ ارشادات

تھے، اللہ تعالیٰ ان کا کوئی ذرہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

خدا کا خوف اور فکرِ آخرت

ایمان کے بعد انسان کی زندگی کو سنوارنے اور فلاح کے مقام تک اس کو پہونچانے میں چونکہ سب سے بڑا دخل اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت اور آخرت کی فکر کو ہے، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت میں ان دو چیزوں کے پیدا کرنے کی خاص کوشش فرمائی، کبھی اس خوف و فکر کے فوائد اور فضائل بیان فرماتے، اور کبھی اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال اور آخرت کے ان سخت احوال کو یاد دلاتے، جن کی یاد سے دلوں میں یہ دونوں کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں ——

آپ کے مشہور صحابی حضرت حنظلہ ابن الربیع کی حدیث جو چند صفحات کے بعد آپ پڑھیں گے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس کا خاص موضوع گویا یہ تھا، اور صحابۂ کرام جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور آخرت اور دوزخ و جنت کے متعلق آپ کے ارشادات سنتے تھے، تو اُن کا حال یہ ہو جاتا تھا کہ دوزخ و جنت گویا اُن کی آنکھوں کے سامنے ہیں —— حدیث کے صرف موجودہ ذخیرے میں اگر ایسی سب حدیثیں جمع کی جائیں، جن کا مقصد خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا کرنا ہے، تو بلاشبہ ایک پورا کتاب صرف ان ہی حدیثوں سے تیار ہو سکتی ہے —— یہاں صرف چند ہی حدیثیں اس سلسلہ کی درج کی جاتی ہیں۔

اگر عالمِ غیب ہم پر منکشف ہو جائے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ :—

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَبُوالْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَكَیْتُمْ كَثِیْرًا وَّ

لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا ——— رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، سیدنا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اُس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر (اللہ کے قہر و جلال اور قیامت و آخرت کے لرزہ خیز ہولناک احوال کے متعلق) تمہیں وہ سب معلوم ہو جائے، جو مجھے معلوم ہے، تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے، اور رونا بہت بڑھ جائے۔ (بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی، اور اُسکے قہر و جلال، اور قیامت و آخرت کے ہولناک لرزہ خیز احوال کے متعلق جو کچھ مجھے معلوم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پر منکشف کر دیا ہے، اگر تم کو بھی اس کا پورا علم ہو جائے، اور تمہاری آنکھوں کو بھی وہ سب نظر آنے لگے جو میں دیکھتا ہوں، اور تمہارے کان بھی وہ سب کچھ سننے لگیں جو میں سنتا ہوں، تو تمہارا چین و سکون ختم ہو جائے، تم بہت کم ہنسو، اور بہت زیادہ روؤ ——— اس کی مزید تفصیل حضرت ابوذر غفاریؓ کی اگلی حدیث سے معلوم ہوگی۔

(۲) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَھَا اَنْ تَاطَّ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا فِیْھَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَکٌ وَاضِعٌ جَبْھَتَہٗ سَاجِدًا لِلّٰہِ، وَاللّٰہِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَی الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُوْنَ اِلَی اللّٰہِ ——— قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ شَجَرَۃً تُعْضَدُ ———

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: ۔ میں عالمِ غیب کی وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، اور وہ آوازیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان چرچرا رہا ہے، اور حق ہے کہ وہ چرچرائے ۔ قسم ہے اُس ربّ ذوالجلال کی، جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آسمان میں چار انگل جگہ بھی نہیں ہے، جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ کے حضور میں اپنا ماتھا رکھے سجدے میں نہ پڑا ہو، اگر تم وہ باتیں جانتے، جو میں جانتا ہوں، تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے، اور بستروں پر بیویوں سے بھی لطف اندوز نہ ہو سکتے، اور اللہ سے نالہ و فریاد اور گریہ و زاری کرتے ہوئے بیابانوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے ——— (اس حدیث کو نقل کر کے) ابوذرؓ فرماتے ہیں، ۔ کاش! میں ایک درخت ہوتا، جو کاٹ دیا جاتا ۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس سلسلہ کی پہلی جلد (کتاب الایمان) میں جیسا کہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے خدا کے پیغمبر کا اصل کام اور مقام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو غیبی حقائق اُس پر منکشف فرمائے، اور جن احکام کی اُس کی طرف وحی کی جائے، وہ اللہ کے دوسرے بندوں کو پہونچائے، اور اُس پر ایمان لانے والوں کی اُنھیں کا مقام اور کام یہ ہے کہ اُس پیغمبر کے اعتماد و اعتبار پر اُن سب باتوں کو وہ حق جانیں، مانیں، اور اُن ہی حقائق کو اپنی زندگی کی بنیاد بنائیں ——— اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کو علم کے جو ذرائع عقل و حواس وغیرہ عطا فرمائے ہیں، اُن کی دسترس صرف اسی عالمِ شہود تک محدود ہے، عالمِ غیب تک اُن کی رسائی نہیں ہے، اسلئے غیبی حقائق کی دریافت اور ان کے بارے میں علم و یقین حاصل کرنے کی راہ ہمارے لئے یہی ہے کہ اللہ کے پیغمبروں کے سماع و مشاہدہ اور اُن کی خبر پر ہم اعتماد کریں، اور یقین لائیں، اسی کا نام ایمان ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں عالمِ غیب کے اپنے اس ہیبت ناک انکشاف کا ذکر فرمایا ہے، کہ اللہ کے جلال اور فرشتوں کی کثرت سے آسمان چرچرا رہا ہے

اور چار انگل بھر جگہ بھی اُس میں ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو ——
اَللّٰہُ اَکْبَرُ! اَللّٰہُ اَعْظَمُ!! اَللّٰہُ اَجَلُّ!!! —— آگے حضورؐ نے فرمایا، کہ :- اگر میری طرح تم بھی وہ سب کچھ جان لو، جو میں جانتا ہوں، اور جو دیکھتا سنتا ہوں، تو تم اِس دنیا میں اس طرح ہنسی خوشی نہ رہ سکو، بستروں پر بیویوں سے لطف اندوزی کا بھی تم کو ہوش نہ رہے، اور گھروں سے نکل کر جنگلوں میں اللہ کے سامنے نالۂ و فریاد اور گریۂ وزاری کرتے پھرو —— حدیث کے راوی حضرت ابوذر غفاریؓ پر اس حدیث کا اتنا اثر پڑا تھا کہ بعض اوقات اِس حدیث کے بیان کرنے کے ساتھ اُن کے دل کی یہ آواز زبان سے نکل جاتی تھی، کہ :- اے کاش! میں ایک درخت ہوتا، جس کو جڑ سے کاٹ ڈالا جاتا، اور پھر آخرت میں حساب کے لئے میری پیشی نہ ہوتی

(ف) اللہ تعالیٰ کو انسانوں سے چونکہ خلافتِ ارضی کا کام لینا ہے، اور وہ جب ہی ممکن ہے کہ انسان اِس دنیا میں اطمینان اور سکون کے ساتھ رہ سکے، اِسلئے وہ حقیقتیں اور وہ چیزیں عام انسانوں سے پردۂ غیب میں رکھی گئی ہیں جن کے انکشاف کے بعد آدمی اِس دنیا میں سکون سے نہیں رہ سکتا، مثلاً قبر کا یا دوزخ کا عذاب، اور اسی طرح قیامت کے لرزہ خیز مناظر اگر اس دنیا میں ہم جیسے انسانوں پر منکشف کر دیئے جائیں، اور ہم لوگ ان کو برائے العین دیکھ سکیں، تو پھر اس دنیا میں ہم کوئی کام نہیں کر سکتے، بلکہ زیادہ دنوں تک زندہ بھی نہیں رہ سکتے —— لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کو جو خاص کام لینا تھا، اُسکے لئے ضروری تھا کہ آپ پر ان چیزوں کا انکشاف کر دیا جائے، اور ایک درجہ پر ان حقائق کا مشاہدہ آپ کو کرا دیا جائے، تاکہ آپ کے اندر وہ عین الیقین اور حق الیقین پیدا ہو جائے، جس کی آپ کے منصبِ عالی اور کارِ عظیم کے لئے ضرورت تھی، اِسلئے اِس قسم کے بہت سے غیبی حقائق آپ پر منکشف کئے گئے، اور اسی کے ساتھ حکمتِ خداوندی نے آپ کے قلبِ مبارک کو وہ غیر معمولی طاقت بھی بخشی، کہ اِس انکشاف اور مشاہدہ کے باوجود آپ اپنے

تمام فرائض منصبی کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں، اور دنیا میں ایسی جامع اور معتدل زندگی گذار سکیں، جو قیامت تک پیدا ہونے والے ہر قسم اور ہر طبقے کے انسانوں کے لئے نمونہ بن سکے صلی اللہ علیہ وسلم۔

غفلت کو دور کرنے کیلئے موت کو زیادہ یاد کرو:۔

(۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِصَلٰوۃٍ فَرَاَی النَّاسَ کَاَنَّھُمْ یَکْتَشِرُوْنَ قَالَ اَمَا اِنَّکُمْ لَوْ اَکْثَرْتُمْ ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَکُمْ عَمَّا اَرٰی اَلْمَوْتِ فَاَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ اَلْمَوْتِ فَاِنَّہٗ لَمْ یَاْتِ عَلَی الْقَبْرِ یَوْمٌ اِلَّا تَکَلَّمَ فِیْہِ فَیَقُوْلُ اَنَا بَیْتُ الْغُرْبَۃِ وَاَنَا بَیْتُ الْوَحْدَۃِ وَاَنَا بَیْتُ التُّرَابِ وَاَنَا بَیْتُ الدُّوْدِ وَاِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَہُ الْقَبْرُ مَرْحَبًا وَّاَھْلًا اَمَا اِنْ کُنْتَ لَاَحَبَّ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی ظَھْرِیْ اِلَیَّ فَاِذْ وَلِیْتُکَ الْیَوْمَ وَصِرْتَ اِلَیَّ فَسَتَرٰی صَنِیْعِیْ بِکَ قَالَ فَیَتَّسِعُ لَہٗ مَدَّ بَصَرِہٖ وَیُفْتَحُ لَہٗ بَابٌ اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ اَوِ الْکَافِرُ قَالَ لَہُ الْقَبْرُ لَا مَرْحَبًا وَّلَا اَھْلًا اَمَا اِنْ کُنْتَ لَاَبْغَضَ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی ظَھْرِیْ اِلَیَّ فَاِذْ وَلِیْتُکَ الْیَوْمَ وَصِرْتَ اِلَیَّ فَسَتَرٰی صَنِیْعِیْ بِکَ قَالَ فَیَلْتَئِمُ عَلَیْہِ حَتّٰی تَخْتَلِفَ اَضْلَاعُہٗ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَصَابِعِہٖ فَاَدْخَلَ بَعْضَھَا فِیْ جَوْفِ بَعْضٍ قَالَ وَیُقَیَّضُ لَہٗ سَبْعُوْنَ تِنِّیْنًا لَوْ اَنَّ وَاحِدًا مِنْھَا نَفَخَ فِی الْاَرْضِ مَا اَنْبَتَتْ شَیْئًا مَا بَقِیَتِ الدُّنْیَا فَیَنْھَسْنَہٗ وَیَخْدِشْنَہٗ حَتّٰی

يُفْضِي بِهٖ إِلَى الْحِسَابِ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ ـــــــــــــــــــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نماز کے لئے گھر سے مسجد تشریف لائے، تو آپ نے لوگوں کو اس حال میں دیکھا کہ گویا (وہاں مسجد ہی میں) وہ کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں، (اور یہ حالت علامت تھی غفلت کی زیادتی کی) اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اُن کی اس حالت کی اصلاح کے لئے) ارشاد فرمایا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اگر تم لوگ لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو زیادہ یاد کرو، تو وہ تمہیں اس غفلت میں مبتلا نہ ہونے دے، لہذا موت کو زیادہ یاد کیا کرو ـــــــــــ (اسکے بعد فرمایا) ـــــــ حقیقت یہ ہے کہ قبر (یعنی زمین کا وہ حصہ جس کو مرنے کے بعد آدمی کا آخری ٹھکانا بننا ہے) ہر روز پکارتی ہے ـــــــــ (ظاہر ہے کہ زبانِ قال سے پکارتی ہے، اور اس کی اس پکار کو وہی سُن سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ سنانا چاہے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر روز قبر زبانِ حال سے پکارتی ہے) کہ میں مسافرت اور تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی اور کیڑوں کا گھر ہوں (اور قبر کی زبان حال کی اس پکار کو تو ہر وہ بندہ ہر وقت سُن سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زبانِ حال کی باتیں سُننے والے کان عطا فرمائے ہوں) ـــــــ (اسکے بعد آپ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ مرنے کے بعد جب بندہ کا واسطہ اُس زمین سے پڑتا ہے، اور وہ اسکے سپرد ہوتا ہے، تو ایمان و عمل کے فرق کے لحاظ سے زمین کا برتاؤ اسکے ساتھ کتنا مختلف ہوتا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا) جب وہ بندہ زمین کے سپرد کیا جاتا ہے جو حقیقی مومن و مسلم ہو، تو زمین (کسی عزیز

اور محترم مہمان کی طرح اس کا استقبال کرتی ہے، اور) کہتی ہے مرحبا! (میرا دیدہ و دل فرشِ راہ) خوب آئے، اور اپنے ہی گھر آئے۔ تمھیں معلوم ہونا چاہئے، کہ جتنے لوگ میرے اوپر چلتے تھے اُن میں سب سے زیادہ محبوب اور چہیتے مجھے تم ہی تھے اور آج جب تم میرے سپرد کر دیئے گئے ہو اور میرے پاس آگئے ہو، تو تم دیکھو گے کہ (تمھاری خدمت اور راحت رسانی کے لئے) میں تمھارے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہوں، پھر وہ زمین اُس بندۂ مومن کیلئے حدِ نگاہ تک وسیع ہو جاتی ہے، اور اُس کیواسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے ——— اور جب کوئی بدکار قسم کا آدمی، یا (آپ نے فرمایا، کہ) ایمان نہ لانے والا آدمی زمین کے سپرد کیا جاتا ہے، تو زمین اُس سے کہتی ہے کہ جتنے آدمی میرے اوپر چلتے پھرتے تھے تو مجھے اُن سب سے زیادہ مبغوض تھا، اور آج جب تو میرے حوالہ کر دیا گیا ہے، اور میرے قبضے میں آگیا ہے، تو ابھی تو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں ——— آپ نے فرمایا کہ ——— پھر وہ زمین ہر طرف سے اُس کو بھینچتی اور دباتی ہے، یہانتک کہ اس دباؤ سے اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر ہو جاتی ہیں ——— ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں میں دوسرے ہاتھ کی انگلیاں ڈال کر ہم کو اس کا نقشہ دکھایا ——— اسکے بعد فرمایا ——— پھر اُس پر ستر اژدھے مسلط کر دیئے جاتے ہیں، جن میں سے ایک اگر زمین میں پھنکار مارے، تو رہتی دنیا تک وہ زمین کوئی سبزہ نہ اُگا سکے، پھر یہ اژدھے اُسے برابر کاٹتے نوچتے رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت اور حشر کے بعد وہ حساب کے مقام تک پہونچا دیا جائے ———

ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ ——— اور حضورؐ نے یہ بھی فرمایا، کہ، اسکے سوا کچھ نہیں، کہ قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، یا دوزخ کے خندقوں میں سے ایک خندق ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) قبر کے عذاب و ثواب کے متعلق پوری تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کیجا چکی ہے۔ اور عقل کی خامی سے جو سوالات اور شبہات اس بارہ میں پیدا ہو سکتے ہیں، اُن کا جواب بھی وہیں دیا جا چکا ہے۔ یہ بھی وہیں بتایا جا چکا ہے کہ قبر سے مراد عالم برزخ کا ٹھکانا ہے، خواہ وہ اصطلاحی قبر ہو یا کچھ اور، نیز وہیں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ ثواب یا عذاب کی تفصیلات میں جہاں جہاں حدیثوں میں ستر کا، یا اسی طرح کا کوئی دوسرا بڑا عدد آتا ہے تو اُس سے مراد صرف کثرت اور بہتات بھی ہو سکتی ہے۔ الغرض ان سب پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کی جا چکی ہے، یہاں تو حدیث کی اس رُوح کو سمجھنا چاہئے کہ بندے کو خدا سے، اور آخرت کے اپنے انجام سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہئے، اور موت اور قبر کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کے ذریعہ غفلت کا علاج کرتے رہنا چاہئے، اور بلاشبہ یہ تیر بہدف علاج ہے صحابۂ کرام میں جو تقویٰ، جو خوفِ خدا اور آخرت کی جو فکر تھی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طریقِ علاج کا نتیجہ تھا، اور آج بھی یہ اوصاف کچھ اُن ہی بندگانِ خدا میں نظر آتے ہیں، جنھوں نے موت اور قبر کی یاد کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے، کہ موت اور قبر کی یاد کے ذریعہ اپنی غفلتوں کا علاج کریں، اور خدا کے خوف و خشیت اور آخرت کی فکر کو اپنی زندگی کی اساس بنائیں۔

(۴) عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا اللَّيْلِ قَامَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللّٰهَ اذْكُرُوا اللّٰهَ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ ——— رواه الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب دو تہائی رات گذر جاتی تو آپ اُٹھتے، اور فرماتے: اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، قریب آ گیا ہے ہلا ڈالنے والا

قیامت کا بھونچال (یعنی نفخۂ اولیٰ) اور اسکے پیچھے آرہا ہے دوسرا (یعنی نفخۂ ثانیہ) موت اُن سب احوال کو ساتھ لے کر سر پر آچکی ہے، جو اس کے ساتھ آتے ہیں، موت اپنے متعلقات و مضمرات کے ساتھ سر پر آچکی ہے۔ (ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے معمولات کے متعلق جو مختلف احادیث مروی ہیں، اُن سب کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اکثری معمول اور عام عادت مبارکہ یہ تھی کہ شروع میں قریب تہائی رات تک آپ اپنے خاص مشاغل و مصروفیات اور نماز عشاء وغیرہ سے فارغ ہوتے تھے، اسکے بعد کچھ آرام فرماتے تھے، اور پھر تہجد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے، اور جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا، تو جیسا کہ حضرت اُبی بن کعبؓ کی اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، آپ اپنے متعلقین اور عام اہل ایمان کو بھی ذکر و عبادت کے لئے بیدار کر دینا چاہتے تھے، اور نیند کی پیدا کی ہوئی غفلت کو دور کرنے کے لئے اُس وقت آپ اُن کو قیامت کی لرزہ خیز ہولناکیاں اور موت کی بے پناہ سختیاں یاد دلاتے تھے ــــــ بلاشبہ خواب غفلت کو دور کرنے کے لئے، اور اللہ کے بندوں میں فکر اور چونک پیدا کر کے اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دینے اور اُس کی عبادت اور ذکر میں مشغول کر دینے کے لئے، یہ نسخہ بڑا اکسیر ہے ــــــ آج بھی جس شخص کو آخری رات میں تہجد کے لئے بستر سے اُٹھنا مشکل ہو، وہ اگر اُس وقت موت اور قبر اور قیامت کی سختیوں کو یاد کر لیا کرے، تو تجربہ ہے کہ نیند کا نشہ کافور ہو جاتا ہے۔

خوف اور فکر والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں :-

(۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ ــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ :- جو شخص ڈرتا ہے، وہ شروع رات میں چل دیتا ہے،
اور جو شروع رات میں چل دیتا ہے، وہ عافیت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے
یاد رکھو، اللہ کا سودا سستا نہیں بہت مہنگا اور بہت قیمتی ہے، یاد رکھو اللہ کا
وہ سودا جنت ہے (ترمذی)

(تشریح) عرب کا عام دستور تھا کہ مسافروں کے قافلے رات کے آخری حصہ میں چلتے تھے، اور اس کی وجہ سے قزاقوں اور رہزنوں کے حملے بھی عموماً سحر ہی میں ہوتے تھے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ جس مسافر یا جس قافلے کو رہزنوں کے حملے کا خوف ہوتا، وہ بجائے آخری رات کے شروع رات میں چل دیتا، اور اس تدبیر سے بحفاظت و عافیت اپنی منزل پر پہونچ جاتا ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال سے سمجھایا، کہ جس طرح رہزنوں کے حملے سے ڈرنے والے مسافر، اپنے آرام اور اپنی نیند کو قربان کر کے چل دیتے ہیں، اسی طرح انجام کا فکر رکھنے والے اور دوزخ سے ڈرنے والے مسافر آخرت کو چاہئے کہ اپنی منزل (یعنی جنت) تک پہونچنے کیلئے اپنی راحتوں لذتوں اور خواہشوں کو قربان کرے، اور منزل مقصود کی طرف تیز گامی سے چلے ــــــ اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ :- بندہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ لینا چاہتا ہے، وہ کوئی سستی اور کم قیمت چیز نہیں ہے کہ یوں ہی مفت دے دی جائے، بلکہ وہ نہایت گرانقدر اور بیش قیمت چیز ہے، جو جان و مال اور خواہشات نفس کی قربانی سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے، اور وہ چیز جنت ہے ــــــ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ــــــ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ــــــ الآیۃ ــــــ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے اُن کے جان و مال جنت کے عوض میں خرید لئے ہیں، وہ اپنا جان و مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیں تو جنت کے مستحق ہوں گے، گویا جنت وہ سودا ہے جس کی قیمت بندوں کا جان و مال ہے۔

موت اور آخرت کی تیاری کرنیوالے ہی ہوشیار اور دوراندیش ہیں :-

(۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَجُلٌ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَنْ اَكْيَسُ النَّاسِ وَاَحْزَمُ النَّاسِ قَالَ اَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ وَاَكْثَرُهُمْ اِسْتِعْدَادًا اُولٰئِكَ الْاَكْيَاسُ ذَهَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْاٰخِرَةِ ـــ

(رواہ الطبرانی فی المعجم الصغیر)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، کہ :- اے اللہ کے پیغمبر! بتلائیے کہ آدمیوں میں کون زیادہ ہوشیار اور دوراندیش ہے ؟- آپ نے ارشاد فرمایا:- وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اور موت کے لئے زیادہ سے زیادہ تیاری کرتا ہے جو لوگ ایسے ہیں وہی دانشمند اور ہوشیار ہیں، انھوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی، اور آخرت کا اعزاز و اکرام بھی ۔ (معجم صغیر للطبرانی)

(تشریح) جب یہ حقیقت ہے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے جس کیلئے کبھی فنا نہیں، تو اس میں کیا شبہ کہ دانشمند اور دوراندیش اللہ کے وہی بندے ہیں جو ہمیشہ موت کو پیش نظر رکھ کر اس کی تیاری کرتے رہتے ہیں، اور اسکے برعکس وہ لوگ بڑے ناعاقبت اندیش اور احمق ہیں جنھیں اپنے مرنے کا تو پورا یقین ہے لیکن وہ اس سے اور اس کی تیاریوں سے غافل رہ کر دنیا کی لذتوں میں مصروف اور منہمک رہتے ہیں ۔

(۷) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ ـــــــ رواہ الترمذی وابن ماجہ

(ترجمہ) شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:۔ ہوشیار اور توانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور موت کے بعد کے لئے (یعنی آخرت کی نجات و کامیابی کے لئے) عمل کرے، اور نادان و ناتواں وہ ہے، جو اپنے کو اپنی خواہشات نفس کا تابع کر دے (اور بجائے احکام خداوندی کے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلے) اور اللہ سے امیدیں باندھے۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) دنیا میں کیس (چالاک و ہوشیار اور کامیاب) وہ سمجھا جاتا ہے، جو دنیا کمانے میں چست و چالاک ہو، خوب دونوں ہاتھوں سے دنیا سمیٹتا ہو، اور جو کر نا چاہے کر سکتا ہو، اور بیوقوف و ناتواں وہ سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے میں تیز اور چالاک نہ ہو ——— اور اہل دنیا جو اس دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اُن کو ایسا ہی سمجھنا بھی چاہئے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بتلایا کہ چونکہ اصل زندگی یہ چند روزہ زندگی نہیں بلکہ آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی ہی اصل زندگی ہے، اور اُس زندگی میں کامیابی اُن ہی کیلئے ہے، جو اس دنیا میں اللہ کی اطاعت اور بندگی والی زندگی گذاریں ——— اسلئے درحقیقت دانشمند اور کامیاب اللہ کے وہ بندے ہیں جو آخرت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں، اور جنھوں نے اپنے نفس پر قابو پاکر اس کو اللہ کا مطیع و فرمانبردار بنا رکھا ہے ——— اور اسکے برعکس جن احمقوں کا حال یہ ہے کہ انھوں نے اپنے کو نفس کا بندہ بنا لیا ہے، اور وہ اس دنیوی زندگی میں اللہ کے احکام و اوامر کی پابندی کے بجائے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلتے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ سے اچھے انجام کی اُمیدیں باندھتے ہیں، وہ یقیناً بڑے نادان اور ہمیشہ ناکام رہنے والے ہیں، خواہ دنیا کمانے میں وہ کتنے ہی چست و چالاک اور پھرتیلے نظر آتے ہوں، لیکن فی الحقیقت وہ بڑے ناعاقبت اندیش، کم عقلے، اور ناکامیاب و نامراد ہیں، کہ جو حقیقی اور واقعی زندگی آنے والی ہے اُس کی تیاری سے غافل ہیں، اور نفس پرستی کی زندگی گذارنے کے باوجود اللہ سے خدا پرستی والے اچھے انجام کی اُمید رکھتے ہیں، نادان اتنی موٹی

بات نہیں سمجھتے، کہ :-

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

اس حدیث میں اُن لوگوں کو خاص آگاہی دی گئی ہے، جو اپنی عملی زندگی میں اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے پروا اور بے فکر ہو کر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ کی رحمت اور اسکے کرم سے اُمیدیں رکھتے ہیں، اور جب اللہ کا کوئی بندہ ٹوکتا ہے، تو کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے، اس حدیث نے بتلایا کہ ایسے لوگ دھوکے میں ہیں، اور اُن کا انجام نامرادی ہے ـــــ پس معلوم ہوا کہ رجاء یعنی اللہ سے رحمت اور کرم کی اُمید وہی محمود ہے جو عمل کے ساتھ ہو، اور جو اُمید بے عملی اور بدعملی اور آخرت کی طرف سے بے فکری کے ساتھ ہو، وہ رجاء محمود نہیں ہے، بلکہ نفس شیطان کا فریب ہے۔

نیکی اور عبادت کر کے ڈرنے والے بندے :-

(۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُوْنَ؟ قَالَ لَا يَا ابْنَةَ الصِّدِّيْقِ وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَهُمْ يَخَافُوْنَ اَنْ لَّا يُقْبَلَ مِنْهُمْ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ ـــ

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی آیت "وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ" کے بارے میں دریافت کیا، کہ :- کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں، اور چوری

کرتے ہیں؟ ــــــ آپ نے فرمایا: ۔ اے میرے صدیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ وہ اللہ کے وہ خدا ترس بندے ہیں، جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقہ وخیرات کرتے ہیں، اور اسکے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں اُن کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں، یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں۔

(ترمذی وابن ماجہ)

(تشریح) سورۂ مومنون کے چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن بندوں کے کچھ اوصاف بیان فرمائے ہیں، جو بھلائی اور خوش انجامی کی طرف تیزی سے جانے والے اور سبقت کرنے والے ہیں، اس سلسلہ میں اُن کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے "وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ" (جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ دیتے ہیں، اور اُن کے دل ترساں رہتے ہیں) ــــــ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی آیت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ: ۔ کیا اس سے مُراد وہ لوگ ہیں، جو شامتِ نفس سے گناہ تو کرتے ہیں، مگر گناہوں کے بارے میں نڈر اور بے باک نہیں ہوتے، بلکہ گناہگاری کے باوجود اُن کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے جواب میں ارشاد فرمایا: ۔ کہ نہیں! اس آیت سے مُراد ایسے لوگ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے وہ عبادت گذار اور اطاعت شعار بندے مراد ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ وہ نماز، روزہ، اور صدقہ وخیرات جیسے اعمالِ صالحہ کرتے ہیں، اور اسکے باوجود اُنکے دلوں میں اس کا خوف اور اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہمارے یہ اعمال بارگاہِ خداوندی میں قبول بھی ہوں گے، یا نہیں ــــــ قرآن مجید میں ان بندوں کا یہ وصف بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے "اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ" (یہی بندے حقیقی بھلائیوں، اور خوش حالیوں کی طرف تیز گام ہیں، اور حقیقی کامیابی کی اس راہ میں آگے نکل جانے والے ہیں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو جواب دیتے ہوئے اس سلسلہ کی اس آخری

آیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا، اور بتلایا کہ دلوں کا یہی خوف اور فکر بھلائی اور خوش انجامی سے ہمکنار کرانے والا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور اس کا قہر و جلال اس قابل ہے کہ ڈرنے کے لائق ہے، کہ بندہ بڑی سے بڑی نیکی اور عبادت کرنے کے باوجود ہرگز مطمئن نہ ہو، اور برابر ڈرتا رہے، کہ کہیں میرا یہ عمل کسی کھوٹ کی وجہ سے میرے منہ پر نہ مار دیا جائے کسی کے دل میں جس قدر خوف ہوگا، اسی قدر وہ خیر و فلاح کی راہ میں آگے بڑھتا رہے گا۔

قیامت کے دن بڑے سے بڑا عبادگزار بھی اپنی عبادت کو ہیچ سمجھے گا:۔

(۹) عَنْ عُتْبَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَفَعَهُ لَوْ اَنَّ رَجُلًا يَخِرُّ عَلٰى وَجْهِهٖ مِنْ يَوْمِ وُلِدَ اِلٰى يَوْمِ يَمُوْتُ فِيْ مَرْضَاةِ اللّٰهِ لَحَقَّرَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(مسند احمد)

(ترجمہ) عتبہ بن عبید سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ اگر کوئی شخص اپنی پیدائش کے دن سے، موت کے دن تک برابر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے سجدہ میں پڑا رہے، تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بھی وہ حقیر سمجھے گا۔ (مسند احمد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب انسان پر وہ حقیقتیں منکشف ہونگی، اور جزا و سزا اور عذاب و ثواب کے وہ مناظر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے، جو یہاں پردۂ غیب میں ہیں، تو اللہ کے وہ بندے بھی جنھوں نے اپنی زندگی کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذارا ہوگا یہی محسوس کریں گے کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا، حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ ایسا ہو جو پیدائش کے دن سے موت کی گھڑی تک برابر سجدہ ہی میں پڑا رہا ہو، اس کا احساس بھی یہی ہوگا، اور وہ اپنے اس عمل کو بھی ہیچ سمجھے گا۔

قیامت کے دن معمولی سمجھے جانے والے گناہوں کی بھی باز پرس ہوگی :-

(۱۰) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ اِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا ــــــــ

(رواہ ابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا :- اے عائشہ! اپنے کو اُن گناہوں سے بچانے کی خاص طور سے کوشش اور فکر کرو، جن کو حقیر اور معمولی سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی بھی باز پرس ہونے والی ہے۔

(سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) جن لوگوں کو آخرت اور حساب کتاب کی کچھ فکر ہوتی ہے، اور جو اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرتے ہیں، وہ کبیرہ یعنی بڑے گناہوں سے بچنے کا تو عام طور سے اہتمام کرتے ہیں، لیکن جو گناہ ہلکے اور صغیرہ سمجھے جاتے ہیں، ان کو خفیف اور معمولی سمجھنے کی وجہ سے اللہ کے بہت سے خدا ترس بندے بھی ان سے بچنے کی فکر زیادہ نہیں کرتے، حالانکہ اس حیثیت سے کہ وہ گناہ ہیں، اور ان کے کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونی ہے، ہمیں ان سے بچنے کی بھی پوری پوری فکر اور کوشش کرنی چاہئے ــــــــ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہی نصیحت فرمائی ہے، اگرچہ اس کی خاص مخاطب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، لیکن درحقیقت یہ انتباہ اور یہ ہدایت و نصیحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنی اُمت کے سب مردوں اور عورتوں کے لئے ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص گھر والوں کو بھی اس فکر اور احتیاط کی

ضرورت ہے تو ہماشما کے لئے اس میں غفلت اور بے پروائی کی کیا گنجائش ہے ــــــ
حقیقت یہ ہے کہ صغیرہ گناہ اگرچہ کبیرہ کے مقابلہ میں صغیرہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا
باعث ہونے کی حیثیت سے اور اس حیثیت سے کہ آخرت میں اس کی بھی باز پرس ہونے والی ہے
ہرگز صغیرہ اور ہلکا نہیں ہے، دونوں میں بس اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ زیادہ زہریلے اور کم زہریلے
سانپوں میں ہوتا ہے، پس جس طرح کم زہر والے سانپ سے بھی ہم بچتے اور بھاگتے ہیں اسی
طرح ہمیں صغیرہ گناہوں سے بھی اپنے کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے،
یہی اس حدیث کا منشا اور مقصد ہے۔

گناہوں کے انجام کا خوف اور رحمتِ خداوندی سے اُمید:۔

(۱۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی شَابٍّ
وَھُوَ فِی الْمَوْتِ فَقَالَ کَیْفَ تَجِدُکَ قَالَ اَرْجُو اللّٰہَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ
وَاِنِّیْ اَخَافُ ذُنُوْبِیْ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَجْتَمِعَانِ
فِیْ قَلْبِ فِیْ مِثْلِ ھٰذَا الْمَوْطِنِ اِلَّا اَعْطَاہُ اللّٰہُ مَا یَرْجُوْہُ
وَاٰمَنَہٗ مِمَّا یَخَافُ ــــــــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ایک جوان کے پاس اس کے آخری وقت میں جبکہ وہ اس دنیا سے رخصت
ہو رہا تھا، تشریف لے گئے، اور آپ نے اس سے دریافت فرمایا، کہ اس وقت
تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرا حال یہ ہے
کہ میں اللہ تعالیٰ سے رحمت کی اُمید بھی رکھتا ہوں، اور اسی کے ساتھ مجھے اپنے
گناہوں کی سزا اور عذاب کا ڈر بھی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ یقین کرو جس
دل میں اُمید اور خوف کی یہ دونوں کیفیتیں ایسے عالم میں (یعنی موت کے وقت میں)

جمع ہوں، تو اللہ تعالیٰ اُس کو وہ ضرور عطا فرما دیں گے، جس کی اُس کو اللہ کی رحمت سے اُمید ہے، اور اُس عذاب سے اُس کو ضرور محفوظ رکھیں گے جس کا اُس کے دل میں خوف و ڈر ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) بیشک اللہ کا خوف اور اُس کے عذاب اور اُس کی پکڑ سے ڈرنا ہی نجات کی کنجی ہے۔

جسکے دل میں کسی موقع پر بھی اللہ کا خوف پیدا ہوا، وہ دوزخ سے نکلوا لیا جائے گا۔

(۱۲) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ جَلَّ وَعَلَا اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَکَرَنِیْ یَوْمًا اَوْ خَافَنِیْ فِیْ مَقَامٍ ——— رواہ الترمذی والبیہقی فی کتاب البعث والنشور

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (اُن فرشتوں کو جو دوزخ پر مقرر ہوں گے) حکم دے گا، کہ جس شخص نے کبھی مجھے یاد کیا، یا کسی موقع پر جو بندہ مجھ سے ڈرا، اُس کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔

(جامع ترمذی، کتاب البعث والنشور للبیہقی)

(تشریح) کتاب الایمان میں جیسا کہ تفصیل سے بتایا جا چکا ہے، یہ بات کتاب و سنت کی تصریحات سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو چکی ہے، کہ جو شخص کفر یا شرک کی حالت میں اس دنیا سے جائے گا، وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا، اور اُس کا کوئی عمل بھی اُس کو دوزخ سے نہ نکلوا سکے گا، پس حضرت انسؓ کی اِس حدیث کا مطلب یہ ہوا، کہ جو شخص دنیا سے اِس حالت میں گیا کہ وہ کافر یا مشرک نہیں تھا، بلکہ ایمان اُس کو نصیب تھا لیکن گناہ اُسکے بہت تھے اور اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ اُسکے ساتھ نہیں تھا، بجز اِسکے کہ اُسنے کبھی اللہ کو یاد کیا تھا، یا کسی

مورخ پر اُسکے دل میں خدا کے خوف کی کچھ کیفیت پیدا ہوئی تھی، تو قیامت کے دن وہ اپنے تصورات کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں ڈال تو دیا جائے گا، لیکن پھر کسی دن کے اللہ کے ذکر اور خوف کی برکت سے اُس کو نجات مل ہی جائے گی، اور وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ واللہ اعلم

اللہ کے خوف سے نکلنے والے آنسوؤں کی برکت :-

(۱۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَاِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ثُمَّ تُصِيْبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ ——— (رواہ ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مومن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں، اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم (مثلاً مکھی کے سر برابر (یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر) ہوں، پھر وہ آنسو بہہ کر اُسکے چہرہ پر پہونچ جائیں، تو اللہ تعالیٰ اُس چہرہ کو آتش دوزخ کے لئے حرام کر دے گا۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو چہرہ خوفِ خدا کے آنسوؤں سے کبھی تر ہوا ہو، اُس کو دوزخ کی آگ سے بالکل محفوظ رکھا جائے گا، اور دوزخ کی آنچ کبھی اُس کو نہ لگ سکے گی ———

"کتاب الایمان" میں تفصیل سے بتایا جا چکا ہے، کہ جن احادیث میں کسی خاص نیک عمل پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری دی جاتی ہے، ان کا مطلب و مقصد عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس نیک عمل کا ذاتی تقاضا اور خاصہ یہی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس عمل کے کرنے والے کو جہنم کی آگ سے بالکل محفوظ رکھے گا، بشرطیکہ اُس شخص سے کوئی ایسا بڑا گناہ سرزد نہ ہوا ہو جس کا تقاضا اسکے برعکس جہنم میں ڈالا جانا ہو، یا اگر کبھی ایسا گناہ اُس سے ہوا ہو، تو وہ اُس سے تائب

ہو چکا ہو، اور اللہ تعالیٰ سے اُس کی معافی مانگ چکا ہو ——— یہ نہ سمجھا جائے، کہ یہ محض تاویل ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورات میں بھی اِس قسم کے وعدوں اور بشارتوں میں یہ شرط ہمیشہ ملحوظ ہوتی ہے۔

اللہ کے خوف سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جانے کی سعادت :-

(۱۴) عَنِ الْعَبَّاسِ رَفَعَهٗ إِذَا اقْشَعَرَّ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ تَحَاتَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَةِ الْبَالِيَةِ وَرَقُهَا۔

(رواہ البزار)

(ترجمہ) حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ :- جب اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت سے کسی بندہ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، تو اُس وقت اُسکے گناہ ایسے جھڑتے ہیں، جیسے کہ کسی پرانے سوکھے درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

(تشریح) خوف و خشیت اور ہیبت در اصل قلبی کیفیات ہیں، لیکن انسان ایسا بنایا گیا ہے، کہ اس کی قلبی کیفیات کا ظہور اسکے جسم پر بھی ہوتا ہے، مثلاً جب دل میں خوشی کی کیفیت ہو، تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہوتی ہے، اور بعض اوقات وہ اس کیفیت کے اثر سے ہنستا یا مسکراتا ہے، اسی طرح جب دل میں حزن و غم ہو، تو وہ بھی اسکے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اسکے اثر سے روتا بھی ہے، اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں، اسی طرح جب دل پر خشیت اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو، تو جسم پر اس کا اثر یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پس جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اِس سے پہلی حدیث میں اللہ کے خوف سے آنسو گرنے پر آتش دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری اہل ایمان کو سنائی گئی ہے، اُسی طرح حضرت عباسؓ کی اِس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے، کہ اللہ کی خشیت اور ہیبت سے

جب کسی بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، تو اُس وقت اُسکے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے خزاں کے موسم میں سوکھے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔

ایک گناہگار نے خوفِ خدا سے بہت بڑی جاہلانہ غلطی کی، اور وہ بخشا گیا:۔

(۱۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَسْرَفَ رَجُلٌ عَلٰی نَفْسِهٖ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ اَوْصٰی بَنِیْهِ اِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْهُ ثُمَّ اِذْرُوْا نِصْفَهٗ فِی الْبَرِّ وَنِصْفَهٗ فِی الْبَحْرِ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَیْهِ لَیُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا لَا یُعَذِّبُهٗ اَحَدًا مِنَ الْعَالَمِیْنَ فَلَمَّا مَاتَ فَعَلُوْا مَا اَمَرَهُمْ فَاَمَرَ اللّٰهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِیْهِ وَاَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَا فِیْهِ ثُمَّ قَالَ لَهٗ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ مِنْ خَشْیَتِكَ یَا رَبِّ وَاَنْتَ اَعْلَمُ فَغَفَرَ لَهٗ ــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ایک شخص نے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی (اور بڑا ظلم کیا، یعنی غفلت سے اللہ کی نافرمانی والی زندگی گذارتا رہا) جب اُس کی موت کا وقت آیا، تو (اپنی پچھلی زندگی کو یاد کرکے اُس پر اللہ کے خوف کا بہت زیادہ غلبہ ہوا، اور آخرت کے بُرے انجام سے وہ بہت ڈرا، یہانتک کہ) اُس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، کہ جب میں مرجاؤں، تو تم مجھے جلاکر راکھ کردینا، پھر تم میری اُس راکھ میں سے آدھی تو کہیں خشکی میں بکھیر دینا، اور آدھی کہیں دریا میں بہادینا (تاکہ میرا کہیں پتہ نشان بھی نہ رہے، اور میں جزا سزا کے لئے دوبارہ زندہ نہ کیا جاؤں، اُسنے کہا کہ میں ایسا گناہگار ہوں کہ) اللہ کی قسم! اگر خدا نے مجھے

پکڑلیا، تو وہ مجھے ایسا سخت عذاب دے گا، جو دنیا جہان میں کسی کو بھی نہ دیگا ــــــ اسکے بعد جب وہ مرگیا، تو اُسکے بیٹوں نے اُس کی وصیت پر عمل کیا (جلا کر اُس کی راکھ کو کچھ ہوا میں اُڑا دیا، اور کچھ دریا میں بہا دیا) ــــــ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے خشکی اور تری سے اُسکے اجزا جمع ہوئے (اور اُس کو دوبارہ زندہ کیا گیا) پھر اُس سے پوچھا گیا۔ تو نے ایسا کیوں کیا؟۔ اُسنے عرض کیا۔ اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ تیرے ڈر سے ہی میں نے ایسا کیا تھا ــــــ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا، کہ) اللہ تعالیٰ نے اُس بندہ کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اِس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے زمانہ کے جس شخص کا یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے، یہ بیچارہ خدا کی شان اور اس کی صفات سے بھی ناواقف تھا، اور اعمال بھی اچھے نہ تھے، لیکن مرنے سے پہلے اُس پر خدا کے خوف کی کیفیت اتنی غالب ہوئی، کہ اُسنے اپنے بیٹوں کو ایسی جاہلانہ وصیت کردی، اور بیچارہ سمجھا کہ میری راکھ کے اِس طرح خشکی اور تری میں منتشر ہو جانے کے بعد میرے پھر زندہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہے گا ــــــ لیکن اس جاہلانہ غلطی کا منشاء اور سبب چونکہ خدا کا خوف اور اُسکے عذاب کا ڈر تھا، اسلئے اللہ تعالیٰ نے اُس کو بخش دیا۔

حدیث کے لفظ "لَئِنْ قَدَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ" کے بارہ میں شارحین نے بہت کچھ علمی موشگافیاں کی ہیں، لیکن اِس عاجز کے نزدیک سیدھی بات یہ ہے، کہ خدا کے خوف سے ڈرے سہمے ہوئے بیچارے ایک جاہل کی جاہلانہ تعبیر تھی، اللہ تعالیٰ کے کرم نے اس کو بھی معاف کردیا، مطلب بیچارہ کا وہی تھا جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم

خدا کا خوف اور تقویٰ ہی فضیلت اور قرب کا معیار ہے:۔

(۴۶) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ

إِنَّكَ لَسْتَ بِخَيْرٍ مِنْ أَحْمَرَ وَلَا أَسْوَدَ إِلَّا أَنْ تَفْضُلَهُ بِتَقْوًى۔

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا:۔ تم کو اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلہ میں بڑائی حاصل ہے نہ کسی کالے کے مقابلہ میں۔ البتہ تقوے، یعنی خوفِ خدا کی وجہ سے تم کسی کے مقابلے میں بڑے ہو سکتے ہو۔ (مسند احمد)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مال و دولت، شکل و صورت، نسل و رنگ، اور زبان و وطن جیسی کسی چیز کی وجہ سے کسی کو کسی دوسرے کے مقابلے میں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی، فضیلت کا معیار بس تقوے ہے (یعنی خوفِ خدا، اور وہ زندگی جو خدا کے خوف سے بنتی ہے) پس اس تقوے میں جو جتنا بڑھا ہوا ہے، وہ اللہ کے نزدیک اتنا ہی بڑا اور بلند ہے ——— اسی حقیقت کو قرآن مجید نے اِن الفاظ میں بیان فرمایا ہے: "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ"۔

(۱۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ خَرَجَ مَعَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْصِيْهِ وَمُعَاذٌ رَاكِبٌ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِيْ تَحْتَ رَاحِلَتِهٖ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ يَا مُعَاذُ إِنَّكَ عَسٰى أَنْ لَّا تَلْقَانِيْ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا وَلَعَلَّكَ أَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِيْ هٰذَا وَقَبْرِيْ فَبَكٰى مُعَاذٌ جَشَعًا لِفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَأَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ نَحْوَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِيَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا وَحَيْثُ كَانُوْا ——— رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کے لئے (قاضی یا عامل بنا کر) روانہ فرمایا اور وہ

حضورؐ کے حکم کے مطابق وہاں کے لئے روانہ ہونے لگے) تو (ان کو رخصت کرنے کے لئے) حضورؐ بھی اُن کو کچھ نصیحتیں اور وصیتیں فرماتے ہوئے اُن کے ساتھ چلے، اُس وقت حضرت معاذؓ تو (حضورؐ کے حکم سے) اپنی سواری پر سوار تھے، اور حضورؐ خود اُن کی سواری کے ساتھ نیچے پیدل چل رہے تھے۔ جب آپ ضروری نصیحتوں اور وصیتوں سے فارغ ہو چکے، تو آخری بات آپ نے یہ فرمائی، کہ:۔ اے معاذ! شاید میری زندگی کے اِس سال کے بعد میری تمہاری ملاقات اب نہ ہو۔ (گویا آپ نے ان کو اشارہ فرمایا، کہ میری زندگی کا یہی آخری سال ہے، اور میں عنقریب ہی اِس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل کیا جانے والا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا) اور شاید ایسا ہو، کہ (اب جب کبھی تم یمن سے واپس آؤ تو بجائے مجھ سے ملنے کے اس مدینہ میں) تم میری اِس مسجد اور میری قبر پہ گذرو ــــــ یہ سُنکر حضرت معاذؓ (حضورؐ کی وفات کے تصوّر اور) آپ کے فراق کے صدمے رونے لگے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف سے منہ پھیر کے، اور مدینہ کی طرف رخ کر کے فرمایا:۔ مجھ سے بہت زیادہ قریب اور مجھ سے زیادہ تعلق رکھنے والے وہ سب بندے ہیں، جو خدا سے ڈرتے ہیں (اور تقوے والی زندگی گذارتے ہیں) وہ جو بھی ہوں، اور جہاں کہیں بھی ہوں۔ (مسند احمد)

(تشریح) حضورؐ کے ارشاد کے اِس آخری حصّہ کا مطلب یہ ہے، کہ اصل چیز روحانی تعلق اور قرب ہے، اور میرے ساتھ اس تعلق کا دار مدار تقوے پر ہے، پس اگر اللہ کا کوئی بندہ جسمانی طور پر مجھ سے کتنی ہی دُور زمین میں، یا دنیا کے کسی بھی حصّہ میں ہو، لیکن اُس کو خوفِ خدا اور تقوے نصیب ہو، تو وہ مجھ سے قریب ہے، اور گویا میرے ساتھ ہے، اور اِس کے برعکس کوئی شخص ظاہری اور جسمانی طور پر میرے ساتھ ہو، لیکن اُس کا دل تقوے کی دولت سے خالی ہو، تو اس ظاہری قرب کے باوجود وہ مجھ سے دور ہے، اور میں اُس سے دور ہوں ــــــ آپ نے اِس ارشاد کے ذریعہ

حضرت معاذ کو تسلی دی، کہ اس ظاہری جدائی کا غم نہ کرو، جب خوفِ خدا اور تقوے تمہارے دل، اور تمہاری رُوح کو نصیب ہے، تو پھر تم یمن میں رہتے ہوئے بھی مجھ سے دُور نہ ہوگے ـــــ اسکے علاوہ دنیا کی یہ زندگانی تو بس چند روزہ ہے، ہمیشہ رہنے کی جگہ تو دارِ آخرت ہے، اور وہاں اللہ کے سارے تقوے والے بندے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے ساتھ اور میرے قریب رہیں گے، اور پھر اُس قرب و وصال کے بعد کسی فراق کا اندیشہ نہ ہوگا۔

اِس آخری بات کے فرماتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رُخ غالباً اِسلئے حضرت معاذ کی طرف سے پھیر کے مدینہ کی طرف کر لیا تھا، کہ معاذ کے رونے سے غالباً آپ خود آبدیدہ ہو گئے تھے، آپ نے چاہا کہ معاذ آپ کے بہتے ہوئے آنسو نہ دیکھ لیں، نیز یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ اپنے ایک سچے محب کا رونا دیکھ کر آپ کا دل دکھتا ہو، اور اِسلئے اُس وقت آپ نے اُن کی طرف سے مُنھ پھیر لیا ہو، محبت و عقیدت کی دنیا میں اِس طرح کے تجربے ہوتے ہی رہتے ہیں۔

حضرت معاذ کو رخصت کرتے وقت آپ نے اُن کو تو حکم دے کے سواری پر سوار کرا دیا، اور خود بات کرتے ہوئے پیدل نیچے چلتے رہے ـــــ اس میں کتنا بڑا سبق، اور کیسا نمونہ ہے، اُن سب لوگوں کے لئے جو دینی حیثیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب سمجھے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا خوف اور تقوے ہمارے دلوں کو نصیب فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ روحانی قرب اور آخرت میں آپ کی وہ رفاقت نصیب فرمائے، جس کی بشارت حضورؐ نے اِس حدیث میں دی ہے۔

خوف وخشیت اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے
رسول اللہ صلعم اور صحابۂ کرامؓ کا حال

ذیل میں چند حدیثیں وہ درج کی جارہی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام کا حال کیا تھا، اور ان کی زندگی پر اسکے کیا اثرات پڑتے تھے:۔

(۱۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُدْخِلُ اَحَدًا مِنْکُمْ عَمَلُہُ الْجَنَّۃَ وَلَا یُجِیْرُہُ مِنَ النَّارِ وَلَا اَنَا اِلَّا بِرَحْمَۃٍ مِنَ اللّٰہِ ——— رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ "تم میں سے کسی کا عمل اُس کو جنّت میں نہ لے جاسکے گا، اور نہ دوزخ سے بچاسکے گا، اور میرا بھی یہی حال ہے، مگر اللہ کی رحمت اور اُسکے کرم سے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد، کہ میں بھی اپنے عمل اور اپنی عبادت سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم ہی سے جنّت میں جاسکوں گا، آپ کے دل کی خوف وخشیت کی کیفیت کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

(۱۹) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا عَصَفَتِ الرِّیْحُ قَالَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ وَاِذَا تَخَیَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَیَّرَ لَوْنُہٗ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَاَقْبَلَ وَاَدْبَرَ فَاِذَا مَطَرَتْ سُرِّیَ عَنْہُ فَعَرَفَتْ ذٰلِکَ عَائِشَۃُ فَسَاَلَتْہُ فَقَالَ لَعَلَّہٗ یَا عَائِشَۃُ کَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ "فَلَمَّا رَاَوْہُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِیَتِھِمْ قَالُوْا ھٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا" ———

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ جب ہوا زیادہ تیز چلتی تو آپ کی زبان پر یہ دعا جاری ہو جاتی "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الخ" (اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس ہوا کی بھلائی کا اور اس میں جو کچھ ہو اسکی بھلائی کا، اور جس مقصد کیلئے یہ بھیجی گئی ہو اس کی بھلائی کا، اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اسکے شر سے، اور اس میں جو کچھ ہو اسکے شر سے، اور جس مقصد کیلئے یہ بھیجی گئی ہو اسکے شر سے) اور جب آسمان پر ابر آتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا اور (اضطراب کی یہ حالت ہوتی کہ) کبھی باہر آتے، کبھی اندر جاتے، کبھی آگے آتے کبھی پیچھے ہٹتے، پھر جب بارش ہو جاتی (اور خیریت سے گذر جاتی) تو یہ کیفیت آپ سے دور ہوتی ——— حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے آپ کی اس حالت اور واردات کو سمجھ لیا اور آپ سے پوچھا (کہ تیز ہوا کو اور ابر کو دیکھ کر حضورؐ کی یہ کیفیت کیوں ہو جاتی ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا:۔ عائشہ! (میں ڈرتا ہوں کہ) شاید یہ ابر و باد اس طرح کا ہو جو (حضرت ہود پیغمبر کی قوم) عاد کی طرف بھیجا گیا تھا (جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے) کہ جب ان لوگوں نے اس (ہوا) کو اپنی وادیوں کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو خوشی ظاہر کرتے ہوئے کہا یہ ابر ہمارے لئے بارش لانے والا ہے ——— (حالانکہ وہ بارش والا ابر نہ تھا، بلکہ آندھی کا ایک ہلاکت خیز طوفان تھا، جو ان کو تباہ کرنے ہی کے لئے آیا تھا)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کا حاصل اور مقصد صرف یہی ہے کہ حضور کے قلب مبارک پر اللہ کے خوف و خشیت کا ایسا غلبہ تھا کہ ذرا ہوا تیز چلتی تو آپ گھبرا کر اللہ تعالیٰ سے اسکے خیر کے حاصل ہونے کی اور اسکے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے اور جب آسمان پر ابر نمودار ہوتا تو اللہ کے جلال کی دہشت و ہیبت سے آپ کا یہ حال ہو جاتا کہ کبھی اندر جاتے کبھی باہر آتے کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے اور آپ کی یہ کیفیت اس خوف اور ڈر سے ہوتی کہ کہیں بادل کی شکل میں اللہ کا ویسا عذاب نہ ہو جیسا کہ حضرت ہودؑ کی سرکش قوم عاد پر ابر ہی کی شکل میں بھیجا گیا تھا، جسے اپنے علاقہ کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر نادانی سے وہ خوش ہوئے تھے اور انھوں نے اس کو ابر رحمت سمجھا تھا، حالانکہ وہ عذاب کی آندھی

تھی ـــــ حدیث میں آیت کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ ناتمام ہیں ـــــ آخری حصہ یہ ہے: "بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ"۔

(۲۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلٰتُ وَعَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ـــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ یا رسول اللہؐ! آپ پر بڑھاپا آگیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ مجھے بوڑھا کر دیا سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلت، سورۂ عم یتساءلون، اور سورۂ تکویر (اذا الشمس کورت) نے۔ (ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی صحت فطری طور پر جس قدر بہتر تھی، اور قویٰ جیسے اچھے، اور طبیعت جیسی معتدل تھی، اسکے لحاظ سے آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت دیر سے ظاہر ہونے چاہئے تھے، لیکن جب وہ آثار عام اندازہ کے لحاظ سے قبل از وقت ظاہر ہونے لگے، تو حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز عرض کیا، کہ:۔ حضرت! آپ پر تو ابھی سے بڑھاپا آنے لگا، آپ نے ارشاد فرمایا، کہ:۔ مجھے قرآن مجید کی ان سورتوں (سورۂ ہود اور واقعہ وغیرہ) نے بوڑھا کر دیا ـــــ ان سورتوں میں قیامت و آخرت اور مجرموں پر اللہ کے عذاب کا بڑا دہشت ناک بیان ہے ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مضامین سے اس قدر متأثر ہوتے تھے اور ان کی تلاوت سے آپ پر خدا کے خوف اور آخرت کی فکر کا ایسا غلبہ ہوتا تھا کہ اس کا اثر آپ کی جسمانی قوت اور تندرستی پر پڑتا تھا، اور بلاشبہ خوف و فکر یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو جوانوں کو جلد بوڑھا کر دیتی ہیں، اسی لئے قیامت کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا" کہ قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا ـــــ اس حدیث سے خاص طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

قلبِ مبارک کا حال کیا تھا۔

(۲۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا هِيَ اَدَقُّ فِيْ اَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ يَعْنِي الْمُهْلِكَاتِ ——— رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے، انھوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا:۔ تم لوگ بہت سے اعمال ایسے کرتے ہو کہ تمھاری نگاہ میں وہ بال سے بھی زیادہ باریک (یعنی بہت ہی خفیف اور ہلکے ہیں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کو مہلکات میں سے شمار کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک زمانہ میں مسلمانوں پر یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابۂ کرام پر خوفِ خدا کا اتنا غلبہ تھا، اور وہ آخرت کے حساب و انجام سے اس قدر لرزاں و ترساں رہتے تھے، کہ بہت سے وہ اعمال جن کو تم لوگ بالکل معمولی سمجھتے ہو، اور بے پروائی سے کرتے رہتے ہو، اور ان سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے، وہ ان کو مہلک سمجھتے تھے، اور ان سے بچنے کا ایسا ہی اہتمام رکھتے تھے جیسے ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

(۲۲) عَنِ الْمُهَاجِرِ قَالَ كَانَتْ ظُلْمَةٌ عَلٰى عَهْدِ اَنَسٍ فَاَتَيْتُهُ فَقُلْتُ يَا اَبَا حَمْزَةَ هَلْ كَانَ هٰذَا يُصِيْبُكُمْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنْ كَانَتِ الرِّيْحُ لَتَشْتَدُّ فَنُبَادِرُ اِلَى الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ اَنْ تَكُوْنَ الْقِيَامَةُ ——— رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) مہاجر تابعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ کالی آندھی آئی، تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے پوچھا کہ:۔ اے ابو حمزہ! کیا ایسی کالی اور اندھیری آندھیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانہ میں بھی آپ لوگوں پر آتی تھیں ؟۔ انھوں نے فرمایا:۔ اللہ کی پناہ! وہاں تو یہ حال تھا، کہ ذرا ہوا تیز ہو جاتی، تو ہم قیامت کے خوف سے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔ (ابوداؤد)

(۲۳) عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيعِ الْأُسَيِّدِيِّ قَالَ لَقِيَنِي أَبُوبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ أَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ ؟ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللهِ مَا تَقُولُ ؟ قُلْتُ نَكُونُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ وَنَسِينَا كَثِيرًا قَالَ أَبُوبَكْرٍ فَوَاللهِ إِنَّا لَنَلْقَى مِثْلَ ذَالِكَ فَانْطَلَقْتُ أَنَا وَأَبُوبَكْرٍ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ ؟ قُلْتُ نَكُونُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ وَنَسِينَا كَثِيرًا فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ تَدُومُونَ عَلَى مَا تَكُونُونَ عِنْدِي وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلَى فُرُشِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ وَلَكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت حنظلہ بن الربیع سے روایت ہے کہ ایک دن مجھے ابوبکر ملے اور انھوں نے پوچھا:۔ حنظلہ! کیا حال ہے ؟۔ میں نے اُن سے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے۔ انھوں نے فرمایا:۔ پاک ہے اللہ! تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا:۔ بات یہ ہے کہ:۔ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں،

اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرما کے ہم کو نصیحت فرماتے ہیں، تو ہمارا یہ حال ہو جاتا ہے کہ گویا ہم دوزخ اور جنت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں، تو بیوی بچے، زمین اور کھیتی باڑی کے کام ہم کو اپنی طرف متوجہ اور مشغول کر لیتے ہیں، اور پھر ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ ابوبکرؓ نے یہ سن کر فرمایا، کہ:۔ اس طرح کی حالت تو ہم کو بھی پیش آتی ہے۔ اسکے بعد میں اور ابوبکر دونوں چلدیئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں نے (اپنا حال بیان کرتے ہوئے) عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ آپ نے فرمایا:۔ یہ کیا بات ہے؟۔ میں نے عرض کیا، کہ:۔ حالت یہ ہے کہ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں، اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرما کر ہم کو نصیحت فرماتے ہیں، تو ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا دوزخ اور جنت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں، تو بیوی بچے، اور کھیتی باڑی کے دھندے ہم کو اپنے میں مشغول کر لیتے ہیں، اور ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:۔ قسم ہے اس ذات کی! جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تمہارا حال ہمیشہ وہ رہے جو میرے پاس ہوتا ہے، اور تم دائماً ذکر میں مشغول رہو، تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور راستے میں تم سے مصافحہ کیا کریں، لیکن اے حنظلہ (اللہ نے اس کا مکلف نہیں کیا ہے، بلکہ) بس اتنا ہی کافی ہے، کہ وقتاً فوقتاً یہ ہوتا رہے، یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ (مسلم)

(ف) حضرت حنظلہ کی اس روایت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ صحابۂ کرام میں آخرت اور دین کی فکر کس درجہ میں تھی، کہ اپنی حالت میں معمولی تغیر اور ذرا سا انحطاط دیکھ کر وہ اپنے پر نفاق کا شبہ کرنے لگتے تھے۔

(۲۴) عَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ لِیْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ ھَلْ تَدْرِیْ مَا قَالَ اَبِیْ لِاَبِیْکَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَاِنَّ اَبِیْ قَالَ لَاَبِیْکَ یَا اَبَا مُوْسٰی ھَلْ یَسُرُّکَ اَنَّ اِسْلَامَنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھِجْرَتَنَا وَجِھَادَنَا مَعَہٗ وَعَمَلَنَا کُلَّہٗ مَعَہٗ بَرَدَ لَنَا وَاَنَّ کُلَّ عَمَلٍ عَمِلْنَا بَعْدَہٗ نَجَوْنَا مِنْہُ کَفَافًا رَاْسًا بِرَاْسٍ فَقَالَ اَبُوْکَ لِاَبِیْ لَا وَاللّٰہِ قَدْ جَاھَدْنَا بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَصَلَّیْنَا وَصُمْنَا وَعَمِلْنَا خَیْرًا کَثِیْرًا وَاَسْلَمَ عَلٰی اَیْدِیْنَا بَشَرٌ کَثِیْرٌ وَاِنَّا لَنَرْجُوْ ذٰلِکَ فَقَالَ اَبِیْ لٰکِنِّیْ اَنَا وَالَّذِیْ نَفْسُ عُمَرَ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُ اَنَّ ذٰلِکَ بَرَدَ لَنَا وَاَنَّ کُلَّ شَیْءٍ عَمِلْنَاہُ بَعْدَہٗ نَجَوْنَا مِنْہُ کَفَافًا رَاْسًا بِرَاْسٍ، فَقُلْتُ اِنَّ اَبَاکَ وَاللّٰہِ کَانَ خَیْرًا مِنْ اَبِیْ ــــــــــــــــ رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت ابوموسیٰ اشعری کے صاحبزادہ ابوبردہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عمر نے کہا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کیا بات کہی تھی؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں، انھوں نے کہا کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کہا تھا، کہ اے ابوموسیٰ! کیا تم اس پر خوش اور راضی ہو کہ رسول اللہ صلعم کیساتھ اور آپ کے ہاتھ پر ہمارا اسلام لانا اور آپ کے ساتھ ہمارا ہجرت کرنا اور جہاد کرنا، اور ہمارے وہ سارے اعمال جو ہم نے آپ کے ساتھ کئے، وہ تو ہمارے لئے ثابت اور محفوظ رہیں (اور ان کا صلہ اور اجر ہم کو عطا فرمایا جائے) اور ہم نے جو اعمال آپ کے بعد کئے، ان سے ہم برابر سرابر چھٹی پا جائیں (یعنی حضورؐ کے بعد ہم نے جو اچھے یا برے عمل کئے ہیں، ان پر نہ ہم کو ثواب ملے اور نہ عذاب) ــــــ (عبداللہ بن عمر ابوبردہ سے کہتے ہیں کہ میرے والد کی یہ بات سن کر) تمہارے والد نے کہا، کہ نہیں! خدا کی قسم، میں تو یہ نہیں چاہتا۔ ہم نے رسول اللہ صلعم کے بعد جہاد کئے ہیں، نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں، اور اللہ

کی توفیق سے) اِنکے علاوہ بھی بہت سے اعمالِ خیر کئے ہیں، اور ہماری کوششوں سے، اور ہمارے ہاتھوں پر اللہ کے بیشمار بندے مسلمان ہوئے ہیں، اور ہم اللہ سے اپنے ان اعمال کے اجر و صلہ کی پوری اُمید رکھتے ہیں (اسلئے ہیں تو آپکے خیال سے متفق نہیں ہوں) ـــــ اِس پر میرے والد (حضرت عمر) نے پھر فرمایا، کہ قسم اُس ذاتِ پاک کی جسکے قبضہ میں عمر کی جان ہے، میں تو دل سے چاہتا ہوں، کہ ہمارے وہ عمل (جو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ کئے، وہ تو) ہمارے لئے ثابت رہیں، اور ہم کو اُن کا صلہ عطا کیا جائے، اور جو عمل ہم نے آپکے بعد کئے اُن سے ہم برابر سرابر پر چھٹی پا جائیں ـــــ (ابو بردہ کہتے ہیں، کہ) میں نے عبداللہ بن عمر سے کہا، کہ: خدا کی قسم! تمہارے والد (حضرت عمر) میرے والد (ابو موسیٰ) سے افضل تھے۔ (بخاری)

(تشریح) جس طرح اللہ کے کسی صالح اور مقبول بندہ کی اقتدا میں پڑھی ہوئی نماز کی مقبولیت کی اُمید کیجاتی ہے، اُسی طرح حضرت عمرؓ یقین کیساتھ اُمید رکھتے تھے، کہ رسول اللہ صلعم کیلئے جو اعمالِ خیر نماز، روزہ، ہجرت، جہاد وغیرہ ہم نے کئے ہیں، وہ تو آنحضرتؐ کی معیت کی نسبت اور برکت سے ضرور ہی انشاء اللہ قبول ہونگے، لیکن جو اعمال حضورؐ کے بعد کئے گئے، چونکہ ان کو یہ نسبت حاصل نہ تھی، بلکہ وہ اپنے ہی اعمال تھے، اسلئے حضرت عمرؓ عام اہلِ معرفت کی طرح انکے انجام سے ڈرتے تھے، اور اپنے سلامتی و کامیابی اسی میں سمجھتے تھے کہ بعد والے سارے اعمال سے برابر سرابر پر چھٹی مل جائے، نہ اُن پر عذاب ہو نہ ثواب۔ ؎ طاعتِ ناقص ما موجبِ غفراں نشود ٭ راضیم گر مددِ علتِ عصیاں نشود

حدیث کے آخر میں ابو بردہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے جو یہ فرمایا، کہ خدا کی قسم! میرے والد سے تمہارے والد افضل تھے، بظاہر اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ افضل تھے اسلئے اپنے اعمال سے بے اطمینانی اور خدا کے خوف کا اثر اُن پر اس قدر زیادہ تھا۔

صحیح بخاری ہی میں حضرت عمرؓ کے واقعہ شہادت کی ایک روایت میں ان کا یہ ارشاد بھی ذکر کیا گیا ہے۔ "وَاللّٰہِ لَوْ اَنَّ لِیْ طِلَاعَ الْاَرْضِ ذَھَبًا لَافْتَدَیْتُ بِہٖ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ قَبْلَ اَنْ اَرَاہُ"

(اللہ کی قسم! اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہو، تو میں اللہ کے عذاب کے دیکھنے سے پہلے اُس سب کو فدیہ میں دے ڈالوں، اور اپنی جان چھڑا لوں)۔

اللہ اکبر! یہ ہے اس بندہ پر خوفِ خدا کا غلبہ جس نے بارہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اپنے لئے جنت کی بشارتیں سُنی ہیں ——— سچ کہا ہے کہنے والے نے:-

"قریبانزا بیش بود حیرانی" اللہ تعالیٰ اس خوف و خشیت کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

دنیا کی تحقیر اور مذمت

رقاق کے سلسلہ کی جو حدیثیں آگے درج کی جا رہی ہیں، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی تحقیر اور مذمت کی ہے، اور بتلایا ہے کہ اللہ کے نزدیک اور آخرت کے مقابلہ میں یہ دنیا کس قدر حقیر اور بے قیمت ہے ——— چونکہ ہمارے اس زمانہ میں دنیا کے ساتھ لوگوں کا تعلق اور شغف وانہماک حد سے بڑھ گیا ہے، اور خالص دنیوی اور مادّی ترقی کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دے دی گئی ہے، کہ غالباً اس سے پہلے کبھی بھی اس کو اہمیت کا یہ مقام حاصل نہ ہوا ہوگا، اسلئے اب حالت یہ ہے کہ دنیا کی تحقیر اور مذمت کی بات بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں بھی آسانی سے نہیں اُترتی، بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بعض وہ لوگ بھی جو مسلمانوں کے رہنما اور مصلح سمجھے جاتے ہیں، اور دین کے لحاظ سے ان کا شمار عوام میں نہیں بلکہ خواص میں ہوتا ہے، دنیا کی بے ثباتی اور بے وقعتی کے تذکرہ کو بے تکلف "رہبانیت اور غلط تصوف کی تبلیغ" کہدیتے ہیں، اور جب اُن کے سامنے اس موضوع کی حدیثیں ذکر کی جائیں، تو منکرین حدیث کی طرح ان حدیثوں ہی کے بارہ میں وہ شکوک کا اظہار کرنے لگتے ہیں ——— اسلئے اس سلسلہ کی حدیثیں درج کرنے سے پہلے ہم بطور تمہید کچھ ایمانی مسلّمات اور قرآن مجید کی روشنی میں اس مسئلہ پر کچھ اصولی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

دنیا اور آخرت :-

(۱) یہ دنیا جس میں ہم اپنی یہ زندگی گذار رہے ہیں، اور جس کو اپنی آنکھوں کانوں وغیرہ حواس سے محسوس کرتے ہیں، جس طرح یہ ایک واقعی حقیقت ہے، اسی طرح آخرت بھی جس کی اطلاع اللہ کے سب پیغمبروں نے دی ہے، وہ بھی ایک قطعی اور یقینی حقیقت ہے، اور اپنی زندگی کے اس دور میں ہمارا اس کو نہ دیکھنا اور نہ محسوس کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ میں ہونے کے زمانہ میں ہم اس دنیا کو نہیں دیکھتے تھے اور نہیں محسوس کر سکتے تھے، پھر جس طرح ہم نے یہاں آکر اس دنیا کو دیکھ لیا اور زمین و آسمان کی وہ ہزاروں لاکھوں چیزیں یہاں ہمارے مشاہدے میں آگئیں، جن کا ہم ماں کے پیٹ میں تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اسی طرح مرنے کے بعد عالم آخرت میں پہونچ کر جنت و دوزخ کو اور اس عالم کی ان تمام چیزوں کو دیکھ لیں گے اور پالیں گے جن کی اطلاع اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں نے دی ہے ——— الغرض ہماری یہ دنیا جس طرح ایک حقیقی عالم ہے اسی طرح آخرت بھی مرنے کے بعد سامنے آجانے والا ایک حقیقی اور بالکل واقعی عالم ہے ——— ہمارا اس پر ایمان ہے اور نقل و عقل کی روشنی میں ہم کو اس کے بارے میں الحمد للہ پورا وثوق اور اطمینان ہے۔

(۲) پھر دنیا کے بارے میں ہم کو یقین ہے کہ یہ اور اس کی ہر چیز فانی ہے، بخلاف آخرت کے کہ وہ غیر فانی اور جاودانی ہے، اور وہاں پہونچنے کے بعد انسان بھی غیر فانی بنا دیا جائے گا، یعنی اس کو کبھی ختم نہ ہونے والی دوامی زندگی عطا فرما دی جاوے گی، اسی طرح وہاں اللہ کے سعید اور خوش نصیب بندوں کو جو نعمتیں عطا ہوں گی ان کا سلسلہ بھی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا اور کبھی منقطع نہ ہوگا، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ"[1] اور اسی طرح جن اشقیا کی بغاوت اور سرکشی اور کفر و استکبار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب آن پر ہوگا، ان کی تکلیفوں اور ان کے عذاب کا سلسلہ بھی کبھی ختم نہ ہوگا، جیسا کہ جہنمیوں کے بارے میں جا بجا فرمایا گیا ہے:-

---

[1] وہ عطاء خداوندی جس کا سلسلہ کبھی بھی منقطع نہ ہوگا۔ ۱۲

"خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا"[1] اور "وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ"[2] اور "لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا"[3]

اسی طرح اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں کی بتلائی ہوئی اس حقیقت پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور لذتوں کے مقابلہ میں آخرت کی لذتیں اور نعمتیں بے انتہا فائق ہیں، بلکہ اصلی لذتیں اور نعمتیں آخرت ہی کی ہیں، اور دنیا کی چیزوں کو اُن سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے، اسی طرح دنیا کی سخت سے سخت تکلیف اور بڑے سے بڑے دکھ کو دوزخ کے ہلکے سے ہلکے درجہ کے عذاب سے بھی کوئی نسبت نہیں۔

ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کی فکر و سعی بس آخرت ہی کے لئے ہو، اور دنیا سے اُس کا تعلق صرف ناگزیر ضرورت کے بقدر رہو۔

(۳) لیکن انسانوں کا عام حال یہ ہے کہ دنیا چونکہ ہر وقت اُن کے سامنے ہے اور آخرت سراسر غیب اور آنکھوں سے اوجھل ہے اسلئے اکثر و بیشتر ان حقیقتوں کے ماننے والوں پر بھی دنیا ہی کی فکر و طلب غالب رہتی ہے، گویا یہ انسانوں کی ایک قسم کی فطری کمزوری ہے ——— اُن کا حال اس معاملہ میں بالکل اُن چھوٹے بچوں کا سا ہے جن کو بچپن میں اپنے کھیل کھلونوں سے دلچسپی ہوتی ہے، اور مستقبل کی زندگی کو خوشگوار اور شاندار بنانے والے تعلیمی اور تربیتی مشاغل اُن کیلئے سب چیزوں سے زیادہ غیر دلچسپ بلکہ انتہائی شاق ہوتے ہیں، جن کے شفیق ماں باپ اُن کو سمجھا بجھا کر اُن اچھے کاموں کی طرف راغب کرتے رہتے ہیں جن میں لگ کر وہ کامیاب انسان بن سکتے ہیں، اور عزت و عافیت کی زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں اور اُس کی نازل کی ہوئی کتابوں کے ذریعہ

---

[1] وہ ہمیشہ اُسی جہنم میں پڑے رہیں گے۔ ۱۲

[2] وہ دوزخی کبھی بھی دوزخ سے نکل نہ سکیں گے۔ ۱۲ [3] اور دوزخیوں کو موت بھی نہ آئے گی کہ مر کر ہی عذاب سے چھوٹ سکیں، اور اُن کے عذاب میں کبھی تخفیف بھی نہ کی جائے گی۔ ۱۲

ہمیشہ انسانوں کی اِس غلطی اُور کمزوری کی اصلاح کی کوشش ہوتی رہی ہے، اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کا جو درجہ ہے، اُور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کا جو مقام ہے وہ واضح کیا جاتا رہا ہے، مگر انسانوں سے اِس بارہ میں غالباً ہمیشہ بچوں والی غلطی ہوتی رہی ہے ــــــــ "بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى، اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى"[1]

(۵) قرآنِ پاک چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روئے زمین کے انسانوں کیلئے آخری ہدایت نامہ ہے، اِسلئے اِس میں اُور بھی زیادہ زہد اُور راہبیت کے ساتھ جا بجا مختلف عنوانات سے دنیا کی بے وقعتی اُور ناپائداری کو اُور آخرت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ کہیں فرمایا گیا ہے :۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى۔

(النساء ع ۔۱۱)

اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کو بتلا دیجئے کہ دنیا کا سرمایہ تو بہت ہی قلیل ہے، اُور آخرت بہتر ہے پرہیزگار لوگ کے لئے۔

کہیں ارشاد فرمایا گیا :۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔

(الانعام ع ۴)

اُور دنیا کی زندگانی کی حقیقت اِسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ بس (چند دنوں کا) کھیل تماشا ہے، اُور آخرت کا گھر ہی بہتر ہے اُن لوگوں کیلئے جو پرہیزگاری کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں (افسوس تم پر!) کیا تم اِس بات کو سمجھتے نہیں۔

کہیں ارشاد ہوا :۔

اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّ

یہ دنیوی زندگانی (اُور یہاں کا ساز و سامان) تو

---

[1] تھا یہ حال یہ ہے کہ تم (آخرت کے مقابلہ میں) دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے بدرجہا) بہتر اُور بہت زیادہ پائیدار ہے۔ یہ بات اگلی کتابوں میں بھی بیان ہوئی ہے، یعنی ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں۔ ۱۲

إِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۔۔۔ (المومن ٤٠ : ٥)

بس چند دنوں کے استعمال کیلئے ہے اور آخرت ہی اصل رہنے کی جگہ ہے۔

کہیں فرمایا گیا :۔

وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۚ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (الحدید ٥٧ : ٢٠)

اور آخرت میں (محرموں اور نافرمانوں کے لئے) سخت ترین عذاب ہے، اور (جو بندے رضا اور مغفرت کے لائق ہیں) ان کے لئے اللہ کی طرف سے بخشش اور رضا ہے ۔۔۔ اور یہ دنیوی زندگانی تو بس دھوکہ کا سرمایہ ہے۔

(۶) الغرض اللہ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ان کو کامل فلاح و بہبود کے مقام تک پہونچانے کے لئے جن چند خاص نکتوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان دنیا کو بالکل حقیر اور بے قیمت سمجھے، اور اس سے زیادہ جی نہ لگائے، اور اس کو اپنا مقصود و مطلوب نہ بنائے، بلکہ آخرت کو اپنی اصل منزل اور اپنا دوامی وطن یقین کرتے ہوئے اور دنیا کے مقابلہ میں اس کی جو قدر و قیمت اور جو اہمیت ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہاں کی کامیابی حاصل کرنے کی فکر کو اپنی تمام دنیوی فکروں پر غالب رکھے، پس انسان کی سعادت اور آخرت میں اس کی کامیابی کے لئے گویا یہ شرط ہے کہ دنیا اس کی نظر میں حقیر اور بے قیمت ہو، اور اس کے دل کا رُخ آخرت ہی کی طرف ہو، اور "اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ الْآخِرَةِ"[1] اس کے دل اور اس کی رُوح کی غذا ہو۔ اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات اور مجلسی ارشادات کے ذریعہ بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، اور ایمان لانیوالوں کے دلوں پر اپنے عمل اور حال سے بھی اسکا نقش کرتے تھے۔

---

[1] اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث اس باب میں درج ہوں گی، جن میں دنیا کی تحقیر اور مذمت کی گئی ہے، ان کا مطلب و مقصد اسی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔

(۷) یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرآن و حدیث میں جس دنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ آخرت کے مقابل والی دنیا ہے، اس لئے دنیا کے کاموں کی جو مشغولیت اور دنیا سے جو تمتع فکر آخرت کے تحت ہو اور آخرت کا راستہ اس سے کھوٹا نہ ہوتا ہو وہ مذموم اور ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہ تو جنت تک پہونچنے کا زینہ ہے۔

اس تمہیدی مضمون کو ذہن میں رکھ کر اب پڑھئے آگے درج ہونے والی اس سلسلہ کی حدیثیں!

آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت :۔

(۲۵) عَنْ مُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهٗ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ ـــــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) روایت ہے مستورد بن شداد سے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں بس ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی دریا میں ڈال کر نکال لے، اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں اتنی ہی بے حقیقت اور بے حیثیت ہے جتنا کہ دریا کے مقابلہ میں انگلی پر لگا ہوا پانی ـــــ اور دراصل یہ مثال بھی صرف سمجھانے کیلئے دی گئی ہے، ورنہ فی الحقیقت دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں یہ نسبت بھی نہیں ہے ـــــ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب محدود اور متناہی ہے، اور آخرت لامحدود اور لامتناہی ہے، اور ریاضی کا مسلم مسئلہ ہے کہ محدود و متناہی اور لامحدود اور غیر متناہی کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہوتی،

جب حقیقت یہ ہے، تو وہ شخص بڑا ہی محروم اور بہت ہی گھاٹے میں رہنے والا ہے جو دنیا کو حاصل کرنے کے لئے تو خوب جد و جہد کرتا ہے مگر آخرت کی تیاری کی طرف سے بے فکر اور بے پروا ہے۔

(۲۶) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِجَدْيٍ اَسَكَّ مَيِّتٍ فَقَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنَّ هٰذَا لَهٗ بِدِرْهَمٍ ؟ فَقَالُوْا مَا نُحِبُّ اَنَّهٗ لَنَا بِشَيْءٍ ، قَالَ فَوَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ۔

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر بکری کے ایک بوچے مُردہ بچے پر ہوا جو راستے میں مرا پڑا تھا، اُس وقت آپ کے ساتھ جو لوگ تھے اُن سے آپ نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی اِس مرے ہوئے بچے کو صرف ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا؟ انھوں نے عرض کیا ہم تو اس کو کسی قیمت پر بھی خریدنا پسند نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا۔ قسم ہے خدا کی کہ دنیا اللہ کے نزدیک اِس سے زیادہ ذلیل اور بے قیمت ہے جتنا ذلیل اور بے قیمت تمہارے نزدیک یہ مُردار بچہ ہے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بندوں کی ہدایت اور تربیت کا جو بے پناہ جذبہ رکھ دیا تھا، اس حدیث سے اس کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے، آپ راستہ چل رہے ہیں، بکری کے ایک مُردار بچے پر آپ کی نظر پڑتی ہے، بجائے اس کے کہ منھ پھیر کر نکل جانے کے آپ صحابہ کو متوجہ کر کے اُس کی اِس حالت سے ایک اہم سبق دیتے ہیں اور اُن کو بتلاتے ہیں کہ یہ مُردار بچہ تمہارے نزدیک جس قدر حقیر و ذلیل ہے اُسی قدر اللہ کے نزدیک دنیا حقیر و ذلیل ہے اِس لئے اپنی طلب و فکر کا مرکز اس کو نہ بناؤ۔ بلکہ آخرت کے طالب بنو۔

لہ یہ حدیث کے لفظ اَسَکّ کا ترجمہ ہے یعنی جن کانوں کا، خواہ خلقی طور پر اُنکے کان نہ ہوں یا بہت چھوٹے ہوں، یا کٹے ہوئے ہوں، اِن تینوں صورتوں کیلئے اَسَکّ کا لفظ بولا جاتا ہے، اور اُردو میں اِن ہی معنی کیلئے "بوچا" استعمال ہوتا ہے۔ ۱۲

(۲۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً.

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پر برابر بھی ہوتی، تو کسی کافر منکر کو وہ ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یعنی خدا اور رسول کے نہ ماننے والوں، کافروں، منکروں کو دنیا سے جو کچھ مل رہا ہے (اور جیسا کہ دیکھا جا رہا ہے خوب مل رہا ہے) اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ کے نزدیک دنیا نہایت ہی حقیر اور بے قیمت چیز ہے، اگر اس کی کچھ بھی قدر و قیمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان باغیوں کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا، چنانچہ آخرت جس کی اللہ کے نزدیک قدر و قیمت ہے، وہاں کسی دشمن خدا کو ٹھنڈے اور خوشگوار پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا۔

دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت :۔

(۲۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ ــــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (مسلم)

(تشریح) قید خانہ کی زندگی کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قیدی اپنی زندگی میں آزاد نہیں ہوتا، بلکہ ہر چیز میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنے پر مجبور ہوتا ہے، جب کھانے کو دیا گیا اور جو کچھ دیا گیا کھا لیا، جو پینے کو دیا گیا پی لیا، جہاں بیٹھنے کا حکم دیا گیا بیٹھ گیا، جہاں کھڑے ہونے کو کہا گیا بیچارہ کھڑا ہو گیا، الغرض قید خانہ میں اپنی مرضی بالکل نہیں چلتی، بلکہ بیچارہ ناچار ہر

معاملے میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری خصوصیت قید خانہ کی یہ ہے کہ قیدی اس سے جی نہیں لگاتا، اور اس کو اپنا گھر نہیں سمجھتا، بلکہ ہر وقت اس سے نکلنے کا خواہش مند اور متمنی رہتا ہے ۔۔۔ ۔۔۔ اور اس کے برعکس جنت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں جنتیوں کے لئے کوئی قانونی پابندی نہیں رہے گی، اور ہر جنتی اپنی مرضی کی زندگی گذارے گا، اور اس کی ہر خواہش اور ہر آرزو پوری ہوگی، نیز لاکھوں برس گذرنے پر بھی کسی جنتی کا دل جنت سے اور جنت کی نعمتوں سے نہیں اکتائے گا، اور نہ کسی کے دل میں جنت سے نکلنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے :۔

فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَ	جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کو تمہارے دل چاہیں
تَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا	اور جسکے نظارہ سے تمہاری آنکھوں کو لذت
خَالِدُونَ ۝ (زخرف - ع - ۷)	دسرور حاصل ہو، اور تم اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے

اور سورۂ کہف میں فرمایا گیا :۔

لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ـــــ	جنتی جنت سے کہیں اور منتقل ہونا نہ چاہیں گے

پس اس عاجز کے نزدیک اس حدیث میں ایمان والوں کو خاص سبق یہ دیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں حکم و قانون کی پابندی کی قید خانہ والی زندگی گذاریں، اور دنیا سے جی نہ لگائیں، اور یہ حقیقت پیش نظر رکھیں کہ اس دنیا کو اپنی جنت سمجھنا، اور اس سے اپنا دل لگانا، اور اس کے عیش کو اپنا اصل مقصود و مطلوب بنانا کافرانہ طریقہ ہے، پس یہ حدیث گویا ایک آئینہ بھی ہے، جس میں ہر مومن اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

اگر اس کے دل کا تعلق اس دنیا کے ساتھ وہ ہے جو قید خانہ کے ساتھ قیدی کا ہوتا ہے تو وہ پورا مومن ہے، اور اگر اس نے اس دنیا سے اپنا دل ایسا لگا لیا ہے کہ اس کو اپنا مقصود و مطلوب بنا لیا ہے، تو یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس کا یہ حال کافرانہ ہے۔

دنیا فانی ہے اور آخرت غیر فانی، اسلئے آخرت کے طالب بنو:۔

(۲۹) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاہُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِہٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَہٗ اَضَرَّ بِدُنْیَاہُ فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی ـــــــ رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا۔ اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان کرے گا، پس (جب دنیا و آخرت میں سے ایک کو محبوب بنانے سے دوسرے کا نقصان برداشت کرنا لازم اور ناگزیر ہے، تو عقل و دانش کا تقاضا یہی ہے کہ) فنا ہو جانے والی دنیا کے مقابلہ میں، باقی رہنے والی آخرت اختیار کرو۔

(مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا تو اس کی اصل فکر و سعی دنیا ہی کے واسطے ہوگی، اور آخرت کو یا تو وہ بالکل ہی پس پشت ڈال دے گا یا اس کے لئے بہت کم جد و جہد کرے گا، جس کا نتیجہ بہر حال آخرت کا خسارہ ہوگا۔

اسی طرح جو شخص آخرت کو محبوب و مطلوب بنائے گا، اس کی اصل سعی و کوشش آخرت کے لئے ہوگی، اور وہ ایک دنیا پرست کی طرح دنیا کے لئے جد و جہد نہیں کر سکے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ دنیا زیادہ نہ سمیٹ سکے گا، پس صاحب ایمان کو چاہئے کہ وہ اپنی محبت اور چاہت کے لئے آخرت کو منتخب کرے، جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، اور دنیا تو بس چند روز میں فنا ہو جانے والی ہے۔

اللہ سے تعلق کے بغیر یہ دُنیا لعنتی ہے :-

(۳۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اِنَّ الدُّنْیَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِیْهَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ ——— رواہ الترمذی وابن ماجہ

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خبردار! دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اُس پر خدا کی پھٹکار ہے، اور اُس کے لئے رحمت سے محرومی ہے سوائے خدا کی یاد کے، اور اُن چیزوں کے جن کا خدا سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے، اور سوائے عالم اور متعلم کے۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ خدا سے غافل کرنے والی یہ دنیا جس کی طلب اور چاہت میں بہت سے نادان انسان خدا کو اور آخرت کو بھول جاتے ہیں، اپنی حقیقت اور اپنے انجام کے لحاظ سے ایسی ذلیل اور ایسی مُردار ہے کہ اللہ کی وسیع رحمت میں بھی اُس کے لئے کوئی حصہ نہیں، البتہ اس دنیا میں اللہ کی یاد اور جن چیزوں کا اُس سے تعلق ہے، حاصل علم دین کے حاملین اور متعلمین سو اُن پر اللہ کی رحمت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس دنیا میں صرف وہی چیزیں اور وہی اعمال اللہ کی رحمت کے لائق ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ سے اور دین سے کوئی تعلق ہو، خواہ بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ لیکن جو چیزیں اور جو اعمال و اشغال اللہ سے اور دین سے بالکل بے تعلق ہیں (اور دراصل دنیا اُن ہی کا نام ہے) وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور اور محروم اور قابل لعنت ہیں۔ پس انسان کی زندگی اگر اللہ کی یاد اور اُسکے تعلق سے، اور دین کے علم اور اسکے تعلّم سے خالی ہے، تو وہ رحمت کی مستحق نہیں، بلکہ لعنت کے قابل ہے۔

طالبِ دُنیا گناہوں سے نہیں بچ سکتا :۔

(۳۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ مِنْ اَحَدٍ یَمْشِیْ عَلَی الْمَاءِ اِلَّا ابْتَلَّتْ قَدَمَاہُ ؟ قَالُوْا لَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ کَذٰلِکَ صَاحِبُ الدُّنْیَا لَا یَسْلَمُ مِنَ الذُّنُوْبِ ——

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا :۔ کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے اور اُس کے پاؤں نہ بھیگیں ؟ —— عرض کیا گیا :۔ حضرت ! ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا :۔ اسی طرح دنیادار گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) صاحب الدنیا (دنیا والے) سے مراد وہی شخص ہے جو دنیا کو مقصود و مطلوب بنا کر اُس میں لگے، ایسا آدمی گناہوں سے کہاں محفوظ رہ سکتا ہے۔ لیکن اگر بندہ کا حال یہ ہو کہ مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت ہو اور دنیا کی مشغولی کو بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح کا ذریعہ بنائے، تو وہ شخص دنیادار نہ ہوگا، اور دنیا میں بظاہر پوری مشغولی کے باوجود وہ گناہوں سے محفوظ بھی رہ سکے گا۔ یہ مضمون بعض حدیثوں میں آگے سراحت سے آجائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو دنیا سے بچاتا ہے :۔

(۳۲) عَنْ قَتَادَۃَ بْنِ النُّعْمَانِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا حَمَاہُ الدُّنْیَا کَمَا یَظَلُّ اَحَدُکُمْ یَحْمِیْ سَقِیْمَہُ الْمَاءَ ——

رواہ احمد والترمذی

(ترجمہ) قتادہ بن نعمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے، تو دنیا سے اُس کو اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے، (جبکہ اُس کو پانی سے نقصان پہونچتا ہو)۔ (مسند احمد جامع ترمذی)

(تشریح) جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے، دنیا دراصل وہی ہے جو اللہ سے غافل کرے اور جس میں مشغول ہونے سے آخرت کا راستہ کھوٹا ہو، پس اللہ تعالیٰ جن بندوں سے محبت کرتا ہے، اور اپنے خاص انعامات سے اُن کو نوازنا چاہتا ہے اُن کو اس مردار دنیا سے اس طرح بچاتا ہے، جس طرح کہ ہم لوگ اپنے مریضوں کو پانی سے پرہیز کراتے ہیں۔

اپنے کو مسافر، اور اس دنیا کو سرائے سمجھو:۔

(۳۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَنْکِبَیَّ فَقَالَ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ ــــــ

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں مونڈھے پکڑ کے مجھ سے ارشاد فرمایا، کہ:۔ دنیا میں ایسے رہ جیسے کہ تو پردیسی ہے، یا راستہ چلتا مسافر۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) یعنی جس طرح کوئی مسافر پردیس کو اور رہ گذر کو اپنا اصلی وطن نہیں سمجھتا اور وہاں اپنے لئے لمبے چوڑے انتظامات نہیں کرتا، اسی طرح مومن کو چاہئے کہ اس دنیا کو اپنا اصلی وطن نہ سمجھے، اور یہاں کی ایسی فکر نہ کرے جیسے کہ یہاں ہی اس کو ہمیشہ رہنا ہے، بلکہ اس کو ایک پردیس اور رہ گذر سمجھے۔

واقعہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام انسانوں کو جیسا انسان بنانا چاہتے ہیں، اور اپنی تعلیم و تربیت سے ان کی جو سیرت بنانا چاہتے ہیں، اُس کی اساس و بنیاد یہی ہے کہ آدمی اس

دنیوی زندگی کو بالکل عارضی اور چند روزہ زندگی سمجھے، اور موت کے بعد والی زندگی کو اصلی اور مستقل زندگی یقین کرتے ہوئے اس کی فکر اور تیاری میں اس طرح لگا رہے، کہ گویا وہ زندگی اس کی آنکھوں کے سامنے ہے، اور گویا وہ اسی دنیا میں ہے ——— جن لوگوں نے یہ بات جس درجے میں اپنے اندر پیدا کرلی، اُن کی زندگی اور اُن کی سیرت اسی درجے میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور اُن کی منشاء کے مطابق ہوگئی، اور جو لوگ اپنے میں یہ بات پیدا نہیں کرسکے، اُن کی زندگی بھی وہ نہیں بن سکی ——— اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات اور مواعظ میں اس بنیاد پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔

دنیا اور آخرت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ:۔

(۳۴) عَنْ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطَبَ یَوْمًا فَقَالَ فِیْ خُطْبَتِہٖ اَلَا اِنَّ الدُّنْیَا عَرَضٌ حَاضِرٌ یَاْکُلُ مِنْہُ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ اَلَا وَاِنَّ الْاٰخِرَۃَ اَجَلٌ صَادِقٌ وَّیَقْضِیْ فِیْھَا مَلِکٌ قَادِرٌ اَلَا وَاِنَّ الْخَیْرَ کُلَّہٗ بِحَذَافِیْرِہٖ فِی الْجَنَّۃِ اَلَا وَاِنَّ الشَّرَّ کُلَّہٗ بِحَذَافِیْرِہٖ فِی النَّارِ اَلَا فَاعْمَلُوْا وَاَنْتُمْ مِنَ اللّٰہِ عَلٰی حَذَرٍ وَاعْلَمُوْا اَنَّکُمْ مَعْرُوْضُوْنَ عَلٰی اَعْمَالِکُمْ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ——— رواہ الشافعی۔

(ترجمہ) حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ دیا، اور اپنے اس خطبہ میں ارشاد فرمایا، کہ:۔ سن لو، اور یاد رکھو کہ دنیا ایک عارضی اور وقتی سودا ہے، جو فی الوقت حاضر اور نقد ہے (اور اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، اسی لئے) اس میں ہر نیک و بد کا حصہ ہے، اور سب اس سے کھاتے ہیں، اور یقین کرو کہ آخرت مقرر وقت پر آنے والی ایک سچی اٹل

حقیقت ہے، اور سب کچھ قدرت رکھنے والا شہنشاہ اسی میں (لوگوں کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا) فیصلہ کرے گا، یاد رکھو کہ ساری خیر اور خوشگواری اور اُس کی تمام قسمیں جنت میں ہیں، اور سارا شر اور دُکھ اور اُس کی تمام قسمیں دوزخ میں ہیں ـــــ پس خبردار خبردار (جو کچھ کرو) اللہ سے ڈرتے ہوئے کرو (اور ہر عمل کے وقت آخرت کے انجام کو پیشِ نظر رکھو) اور یقین کرو کہ تم اپنے اپنے اعمال کے ساتھ اللہ کے حضور میں پیش کئے جاؤ گے، پس جس شخص نے ذرہ برابر کوئی نیکی کی ہوگی، وہ اُس کو بھی دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر کوئی بُرائی کی ہوگی، وہ اُس کو بھی پالے گا۔ (مسند امام شافعی)

(تشریح) انسان کی سب سے بڑی بدبختی اور سیکڑوں قسم کی بدکاریوں کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے فکر اور بے پروا ہو کر زندگی گذارے، اور اپنی نفسانی خواہشات اور اس دنیا کی فانی لذتوں کو اپنا مقصد اور مطمح نظر بنالے ـــــ اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے، اور خدا اور آخرت آنکھوں سے اوجھل ہیں، اس لئے انسانوں کو اس بربادی سے بچانے کا راستہ یہی ہے کہ اُن کے سامنے دنیا کی بے حقیقتی اور بے قیمتی کو اور آخرت کی اہمیت اور برتری کو قوت کے ساتھ پیش کیا جائے، اور قیامت میں خدا کے سامنے پیشی اور اعمال کی جزا و سزا کا اور جنت و دوزخ کے ثواب و عذاب کا یقین اُن کے دلوں میں اُتارنے کی کوشش کی جائے ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبہ کا حاصل اور موضوع یہی ہے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا، آپ کے اکثر خطبات اور مواعظ میں یہی بنیادی مضمون ہوتا تھا۔

(تنبیہ) یہ بات بڑی خطرناک اور بہت تشویشناک ہے کہ دینی دعوت اور دینی وعظ و نصیحت میں دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت کی اہمیت کا بیان اور جنت و دوزخ کا تذکرہ جس طرح اور جس ایمان و یقین اور جس قوت کے ساتھ ہونا چاہئے ہمارے اس زمانہ میں اس کا رواج بہت

کم ہوگیا ہے، گویا نہیں رہا ہے، اور دین کی تبلیغ و دعوت میں بھی اُسی طرح کی باتیں کرنے کا رواج بڑھتا جارہا ہے جس قسم کی باتیں مادی تحریکوں اور دنیوی نظاموں کی دعوت و تبلیغ میں کہی جاتی ہیں

دنیا سے نہ لپٹو، آخرت کے طالب بنو:۔

(۳۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَتَخَوَّفُ عَلٰى أُمَّتِيَ الْهَوٰى وَطُوْلُ الْأَمَلِ فَأَمَّا الْهَوٰى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَأَمَّا طُوْلُ الْأَمَلِ فَيُنْسِي الْآخِرَةَ وَهٰذَا الدُّنْيَا مُرْتَحِلَةٌ ذَاهِبَةٌ وَهٰذِهِ الْآخِرَةُ مُرْتَحِلَةٌ قَادِمَةٌ وَلِكُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَنُوْنَ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تَكُوْنُوْا مِنْ بَنِي الدُّنْيَا فَافْعَلُوْا فَإِنَّكُمُ الْيَوْمَ فِيْ دَارِ الْعَمَلِ وَلَا حِسَابَ وَأَنْتُمْ غَدًا فِيْ دَارِ الْآخِرَةِ وَلَا عَمَلَ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت جابرؓ سے روایت ہے، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میں اپنی امت پر جن بلاؤں کے آنے سے ڈرتا ہوں، اُن میں سب سے زیادہ ڈر کی چیزیں ھَوٰی اور طُوْلِ اَمَلْ ہے (ھَوٰی سے مراد یہاں یہ ہے کہ دین و مذہب کے بارے میں اپنے نفس کے رجحانات اور خیالات کی پیروی کی جائے، اور طُوْلِ اَمَلْ یہ ہے کہ دنیوی زندگی کے بارہ میں لمبی لمبی آرزوئیں دل میں پرورش کی جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو بیماریوں کو بہت زیادہ خوفناک بتلایا، اور آگے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی) کہ ھَوٰی تو آدمی کو قبولِ حق سے مانع ہوتی ہے (یعنی اپنے نفسانی رجحانات اور خیالات کی پیروی کرنے والا قبولِ حق اور اتباعِ ہدایت سے محروم رہتا ہے) اور طُوْلِ اَمَلْ (یعنی لمبی لمبی آرزوؤں میں دل پھنس جانا) آخرت کو بھلا دیتا ہے اور اُس کی فکر اور اُس کے لئے تیاری سے غافل کر دیتا ہے (اس کے بعد آپ نے

ارشاد فرمایا کہ) یہ دنیا دمبدم چلی جارہی ہے، گذر رہی ہے (کہیں اس کا ٹھہراؤ اور مقام نہیں) اور آخرت (اُدھر سے) چل پڑی ہے، چلی آرہی ہے، اور ان دونوں کے بچے ہیں (یعنی انسانوں میں کچھ وہ ہیں جو دنیا سے ایسی وابستگی رکھتے ہیں جیسی وابستگی بچوں کو اپنی ماں سے ہوتی ہے، اور کچھ وہ ہیں جن کی ایسی ہی وابستگی اور رغبت بجائے دنیا کے آخرت سے ہے) پس اے لوگو! اگر تم کرسکو تو ایسا کرو کہ دنیا سے چمٹنے والے اس کے بچے نہ ہو (بلکہ اس دنیا کو دارالعمل سمجھو) تم اس وقت دارالعمل میں ہو (یہاں تمہیں صرف محنت اور کمائی کرنی ہے) اور یہاں حساب اور جزا سزا نہیں ہے، اور کل تم (یہاں سے کوچ کرکے) دارآخرت میں پہونچ جانے والے ہو، اور وہاں کوئی عمل نہ ہوگا (بلکہ یہاں کے اعمال کا حساب ہوگا اور ہر شخص اپنے کئے کا بدلہ پائے گا)۔

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اُمت کے بارے میں دو بڑی بیماریوں کا خوف اور خطرہ ظاہر فرمایا ہے، اور اُمت کو اُن سے ڈرایا اور خبردار کیا ہے، ایک ھَوٰی اور دوسرے طُوْلِ اَمَلْ ـــــ غور سے دیکھا جائے، تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی دو بیماریوں نے اُمت کے بہت بڑے حصے کو برباد کیا ہے، جو لوگوں میں خیالات اور نظریات کی گمراہیاں ہیں، وہ ھَوٰی کے مریض ہیں، اور جن کے اعمال خراب ہیں وہ طُوْلِ اَمَلْ اور حبِّ دنیا کے مرض میں گرفتار اور آخرت کی فکر اور تیاری سے غافل ہیں، اور علاج بھی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخر میں بیان فرمایا ـــــ یعنی اُن کے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو کہ یہ دنیوی زندگی فانی اور صرف چند روزہ ہے، اور آخرت ہی کی زندگی اصلی زندگی ہے، اور وہی ہمارا اصل مقام ہے ـــــ جب یہ یقین دلوں میں پیدا ہو جائے گا تو خیالات اور اعمال دونوں کی اصلاح آسان ہو جائے گی۔

دولت کی افراط کا خطرہ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آگاہی

(۳۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ ـــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) عمرو بن عوفؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ ۔ میں تم پر فقر و ناداری آنے سے نہیں ڈرتا، لیکن مجھے تمہارے بارہ میں یہ ڈر ضرور ہے، کہ دنیا تم پر زیادہ وسیع کر دی جائے، جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر وسیع کی گئی تھی، پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو، جیسے کہ انھوں نے اس کو بہت زیادہ چاہا تھا (اور اسی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے تھے) اور پھر وہ تم کو برباد کر دے، جیسے کہ اس نے ان اگلوں کو برباد کیا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعض اگلی قوموں اور امتوں کا یہ تجربہ تھا، کہ جب ان کے پاس دنیا کی دولت بہت زیادہ آئی، تو ان میں دنیوی حرص اور دولت کی رغبت و چاہت اور زیادہ بڑھ گئی، اور وہ دنیا ہی کے دیوانے اور متوالے ہو گئے، اور اصل مقصدِ زندگی کو بھلا دیا، پھر اس کی وجہ سے ان میں باہم حسد و بغض بھی پیدا ہوا، اور بالآخر ان کی اس دنیا پرستی نے ان کو تباہ و برباد کر دیا ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے بارے میں اسی کا زیادہ ڈر تھا ـــــ اس حدیث میں آپ نے از راہِ شفقت امت کو اس خطرے سے آگاہ کیا ہے، اور فرمایا ہے، کہ تم پر فقر و ناداری کے حملے کا مجھے زیادہ ڈر نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس تم میں بہت زیادہ دولت مندی آجانے سے دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر تمہارے

ہلاک و برباد ہو جانے کا مجھے زیادہ خوف اور ڈر ہے۔

آپ کے اس ارشاد کا مقصد و مدعا اس خوشنما فتنہ کی خطرناکی سے اُمت کو خبردار کرنا ہے تاکہ ایسا وقت آنے پر اس کے بُرے اثرات سے اپنا بچاؤ کرنے کی وہ فکر کرے۔

اِس اُمت کا خاص فتنہ دولت ہے :۔

(۳۷) عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةٌ وَفِتْنَةُ اُمَّتِيْ الْمَالُ ——————

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) کعب بن عیاض سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ ارشاد فرماتے تھے، کہ ہر اُمت کے لئے کوئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری اُمت کی خاص آزمائش مال ہے۔ (ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ میری پیغمبری کے دور میں (جو اب سے لے کر قیامت تک کا زمانہ ہے) مال و دولت کو ایسی اہمیت حاصل ہوگی، اور اس کی ہوس اتنی بڑھ جائے گی، کہ وہی اس اُمت کے لئے سب سے بڑا فتنہ ہوگا —— (قرآن مجید میں بھی مال کو فتنہ کہا گیا ہے) —— اور واقعہ یہ ہے کہ عہد نبوی سے لے کر ہمارے اس زمانے تک کی تاریخ پر جو شخص بھی نظر ڈالے گا، اُسے صاف محسوس ہوگا، کہ مال کے مسئلہ کی اہمیت اور دولت کی ہوس برابر بڑھتی رہی ہے اور بڑھتی ہی جا رہی ہے، اور بلاشبہ یہ ہی اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے، جس نے بے شمار بندوں کو خدا کی بغاوت و نافرمانی کے راستے پر ڈال کے اصل سعادت سے محروم کر دیا ہے۔ بلکہ اب تو نوبت یہاں تک پہونچ چکی ہے کہ خدا بیزاری اور خدا دشمنی کے علمبردار بھی دولت و معاش ہی کے مسئلہ کی پیٹھ پر سوار ہو کر اپنے دجالی خیالات دنیا میں پھیلاتے ہیں۔

——————

حبِّ مال اور حبِّ جاہ دین کیلئے قاتل ہیں :-

(۳۸) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَا فِي غَنَمٍ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ ——— رواہ الترمذی والدارمی۔

(ترجمہ) کعب بن مالک سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے گئے ہوں، اُن بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ نہیں کر سکتے، جتنا تباہ آدمی کے دین کو مال کی اور عزّت وجاہ کی حرص کرتی ہے۔ (جامع ترمذی، مسند دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حبِّ مال اور حبِّ جاہ آدمی کے دین کو اور اللہ کے ساتھ اس کے تعلق کو اس سے زیادہ نقصان پہونچاتے ہیں، جتنا کہ بکریوں کے کسی ریوڑ میں چھوٹے ہوئے بھوکے بھیڑیے ان بکریوں کو نقصان پہونچا سکتے ہیں۔

مال کی اور دنیا کی محبت بڑھاپے میں بھی جوان رہتی ہے :-

(۳۹) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَيَشِبُّ فِيْهِ اثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے (اور بڑھاپے کے اثر سے اس کی ساری قوتیں مضمحل ہو کر کمزور پڑ جاتی ہیں) مگر اس کے نفس کی دو خصلتیں اور زیادہ جوان اور طاقتور ہوتی رہتی ہیں ——— ایک دولت کی حرص، اور

دوسری زیادتی عمر کی حرص۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ انسانوں کا عام حال یہی ہے، اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے، بات یہ ہے کہ انسان کے نفس میں بہت سی ایسی غلط خواہشیں پیدا ہوتی ہیں جو اُسی وقت پوری ہوتی ہیں جبکہ اُس کے ہاتھ میں دولت ہو، اور زندگی اور توانائی بھی ہو، اور ان خواہشوں کی مضرتوں اور بربادیوں سے انسان کو بچانا "پاسبانِ عقل" کا کام ہے، مگر بڑھاپے کے اثر سے جب بیچاری یہ عقل بھی مضمحل اور کمزور پڑ جاتی ہے، تو ان خواہشات پر اپنا قابو اور کنٹرول رکھنے سے مجبور ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں بہت سی خواہشیں "ہوس" کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں، اور اس کی وجہ سے عمر کی زیادتی کے ساتھ مال و دولت کی اور دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی حرص اور چاہت اور زیادہ ترقی کرتی رہتی ہے کہنے والے نے صحیح کہا ہے:۔ ؎

بیخہائے خوئے بد محکم شدہ قوتِ برکندنِ آں کم شدہ

لیکن یہ حال عوام کا ہے، اللہ کے جن بندوں نے اس دنیا اور اس کی خواہشوں کی حقیقت اور اس کے انجام کو سمجھ لیا ہے، اور اپنے نفسوں کی تربیت کر لی ہے، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَزَالُ قَلْبُ الْكَبِیْرِ شَابًّا فِیْ اِثْنَیْنِ فِیْ حُبِّ الدُّنْیَا وَطُوْلِ الْاَمَلِ ــــ

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں کے بارے میں ہمیشہ جوان رہتا ہے ایک تو دنیا کی محبت، اور دوسری لمبی لمبی تمنائیں۔

(تشریح) جیسا کہ پہلی حدیث کی تشریح میں ذکر کیا گیا، عام انسانوں کا حال یہی ہے لیکن جن بندگانِ خدا کو خود شناسی اور خدا شناسی اور دنیا و آخرت کے بارے میں صحیح علم و یقین

نصیب ہو، اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ بجائے حبِّ دنیا کے، اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس فانی دنیا کی آرزوؤں کی جگہ رضاء الٰہی اور نعمائے اُخروی کا اشتیاق اور اس کی تمنا بڑھاپے میں بھی ان کے دل میں مسلسل بڑھتی اور ترقی کرتی رہتی ہے، اور ان کی عمر کا ہر اگلا دن پہلے دن کے مقابلے میں اس پہلو سے بھی ترقی کا دن ہوتا ہے۔

دولت میں اضافے کی حرص کسی حد پر ختم نہیں ہوتی :۔

(۴۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ کَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰی ثَالِثًا وَلَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تَابَ ــــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اگر آدمی کے پاس مال کے بھرے ہوئے دو میدان اور دو جنگل ہوں تو وہ تیسرا اور چاہے گا، اور آدمی کا پیٹ تو بس مٹی سے بھرے گا (یعنی مال و دولت کی اس ختم نہ ہونے والی ہوس اور بھوک کا خاتمہ بس قبر میں جا کر ہوگا) اور اللہ اس بندے پر عنایت اور مہربانی کرتا ہے جو اپنا رُخ اور اپنی توجہ اس کی طرف کرلے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کی زیادہ حرص عام انسانوں کی گویا فطرت ہے اگر دولت سے اُن کا گھر بھی بھرا ہو، اور جنگل کے جنگل اور میدان کے میدان بھی پٹے پڑے ہوں، تب بھی اُن کا دل قانع نہیں ہوتا، اور وہ اس میں اور زیادتی اور اضافہ ہی چاہتے ہیں اور زندگی کی آخری سانس تک اُن کی ہوس کا یہی حال رہتا ہے، اور بس قبر ہی میں جا کر دولت کی اس بھوک اور ننانوے کے اس پھیر سے اُن کو چھٹکارا ملتا ہے ــــــ البتہ جو بندے

دنیا اور دنیا کی دولت کے بجائے اپنے دل کا رُخ اللہ کی طرف کرلیں، اور اُس سے تعلق جوڑلیں، اُن پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے، اور اُن کو اللہ تعالیٰ اِس دنیا ہی میں اطمینانِ قلب اور غنائے نفس نصیب فرما دیتا ہے، اور پھر اس دنیا میں بھی اُن کی زندگی بڑے مزے کی اور بڑے سکون سے گذرتی ہے۔

طالبِ آخرت کا قلب مطمئن رہتا ہے، اور طالبِ دنیا کا دل پراگندہ اور غیر مطمئن:-

(۴۲) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَتْ نِیَّتُہٗ طَلَبَ الْاٰخِرَۃِ جَعَلَ اللّٰہُ غِنَاہُ فِیْ قَلْبِہٖ وَجَمَعَ لَہٗ شَمْلَہٗ وَاَتَتْہُ الدُّنْیَا وَھِیَ رَاغِمَۃٌ وَمَنْ کَانَتْ نِیَّتُہٗ طَلَبَ الدُّنْیَا جَعَلَ اللّٰہُ الْفَقْرَ بَیْنَ عَیْنَیْہِ وَشَتَّتَ عَلَیْہِ اَمْرَہٗ وَلَا یَاْتِیْہِ مِنْھَا اِلَّا مَا کُتِبَ لَہٗ ——— رواہ الترمذی ورواہ احمد والدارمی عن ابان عن زید بن ثابت۔

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جس شخص کی نیت اور اُس کا مقصدِ اصلی اپنی سعی و عمل سے آخرت کی طلب ہو، تو اللہ تعالیٰ غنا (قلبی اطمینان، اور مخلوق کی نامحتاجی کی کیفیت) اُس کے دل کو نصیب فرمادیں گے، اور اُس کے پراگندہ حال کو درست فرمادیں گے، اور دنیا اُس کے پاس خود بخود ذلیل ہو کر آئے گی، اور جس شخص کی نیت اور اپنی سعی و عمل سے جس کا خاص مقصد دنیا طلب کرنا ہوگا، اللہ تعالیٰ محتاجی کے آثار اُس کی بیچ پیشانی میں اور اُس کے چہرے پر پیدا کردیں گے، اور اُس کے حال کو پراگندہ کردیں گے (جس کی وجہ سے اُس کو خاطر جمعی کی راحت کبھی نصیب نہ ہوگی) اور (ساری تگ و دو کے بعد بھی) یہ دنیا اُس کو بس اتنی ہی قدر ملے گی جس قدر اُس کے واسطے پہلے سے

مقدر ہو چکی ہوگی۔

(اس حدیث کو حضرت انسؓ سے امام ترمذی نے روایت کیا ہے
اور امام احمد اور دارمی نے اس حدیث کو ابان کی روایت سے
حضرت زید بن ثابت انصاریؓ سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو بندہ آخرت پر یقین رکھتے ہوئے آخرت کی فلاح ہی کو اپنا اصل مطلوب و مقصود بنا لیتا ہے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا کے بارے میں اس کو قناعت نصیب فرما کر اس کے دل کو طمانیت اور جمعیت خاطر نصیب فرما دی جاتی ہے، اور دنیا میں سے جو کچھ اس کے لئے مقدر ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی راستہ سے خود اس کے پاس آجاتا ہے ——— اور اس کے برعکس جو شخص دنیا کو اپنا اصل مقصود و مطلوب بنا لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ محتاجی اور پریشان حالی اس پر اس طرح مسلط کر دیتا ہے کہ دیکھنے والوں کو اس کے چہرے پر اور اس کی ہیچ پیشانی میں اس کے آثار نظر آتے ہیں اور دنیا کی طلب میں خون پسینہ ایک کر دینے کے بعد بھی اس طالب دنیا کو بس وہی ملتا ہے، جو پہلے ہی سے اس کے لئے مقدر ہے ——— پس جب واقعہ اور حقیقت یہ ہے تو بندہ کو چاہئے کہ آخرت ہی کو اپنا مقصود و مطلوب بنائے، اور دنیا کو بس ایک عارضی اور وقتی ضرورت سمجھ کر اس کی صرف اتنی ہی فکر کرے جتنی کہ کسی عارضی و وقتی چیز کی فکر ہونی چاہئے۔

دولت میں بندے کا واقعی حصہ کیا ہے؟:-

(۳۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْعَبْدُ مَالِیْ مَالِیْ وَاِنَّ مَالَهٗ مِنْ مَالِهٖ ثَلٰثٌ مَا اَكَلَ فَاَفْنٰى اَوْ لَبِسَ فَاَبْلٰى اَوْ اَعْطٰى فَاَقْنٰى وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهٗ لِلنَّاسِ ——— رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- بندہ کہتا ہے میرا مال، میرا مال، حالانکہ اُس کے مال میں سے جو واقعی اُس کا ہے وہ بس تین مدیں ہیں، ایک وہ جو اُس نے کھا کے ختم کر دیا، دوسرے وہ جو پہن کر پُرانا کر ڈالا، اور تیسرے وہ جو اُس نے راہِ خدا میں دیا، اور اپنی آخرت کے واسطے ذخیرہ کر لیا، اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ بندہ دوسرے لوگوں کے لئے اُس کو چھوڑ جانے والا ہے، اور خود یہاں سے ایک دن رخصت ہو جانے والا ہے۔ (مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کے کمائے ہوئے اور جوڑے ہوئے مال میں سے واقعۃً اور حقیقۃً اُس کا بس وہی ہے جو اُس نے کھانے پہننے کی ضروریات میں یہاں اپنے اوپر خرچ کر لیا، یا راہِ خدا میں دے کے آخرت کے واسطے اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع کر دیا، اس کے سوا جو کچھ ہے وہ درحقیقت اُس کا نہیں ہے بلکہ اُن وارثوں کا ہے جن کے لئے وہ اس کو چھوڑ جانے والا ہے۔

(۴۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهٖ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُهٗ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِ وَارِثِهٖ قَالَ فَاِنَّ مَالَهٗ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ ——— رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- تم میں سے کون ایسا ہے جس کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال محبوب ہو؟ (یعنی اپنے ہاتھ میں مال آنے سے زیادہ محبوب جس کو اپنے وارثوں کے ہاتھ میں مال آنا ہو؟) لوگوں نے عرض کیا:- ہم میں سے تو ہر ایک کا حال یہ ہے کہ اُس کو اپنے وارثوں کے مال سے زیادہ محبوب اپنا ہی

مال ہے (یعنی ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی یہ چاہت ہو کہ مال اُس کو نہ ملے، بلکہ اُس کے وارثوں کو ملے) آپ نے فرمایا:۔ جب یہ بات ہے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ آدمی کا مال بس وہی ہے جس کو اُس نے آگے چلتا کر دیا، اور جس قدر اُس نے بعد کے لئے رکھا وہ اُس کا نہیں ہے، بلکہ اُس کے وارثوں کا ہے۔ (لہٰذا دانش مند آدمی کو چاہئے کہ وارثوں کے لئے چھوڑنے سے زیادہ فکر، اپنی آخرت کے لئے سرمایہ محفوظ کر دینے کی کرے، جس کی صورت یہی ہے کہ سُستی سُستی کے گھر میں رکھنے کے بجائے خیر کے مصارف میں صَرف بھی کرتا رہے)

(صحیح بخاری)

(۴۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ یَبْلُغُ بِهٖ قَالَ اِذَا مَاتَ الْمَیِّتُ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مَا قَدَّمَ وَقَالَ بَنُوْ اٰدَمَ مَا خَلَّفَ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔ جب مرنے والا مرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں، اور پوچھتے ہیں، کہ اس نے اپنے واسطے آگے کیا بھیجا (یعنی کیا اعمالِ خیر کئے، اور اپنی آخرت کے لئے اللہ کے خزانے میں کیا سرمایہ جمع کیا ہے) اور عام انسان آپس میں کہتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس نے کتنا مال چھوڑا؟۔

(شعب الایمان للبیہقی)

دولت کے بندے خدا کی رحمت سے محروم:۔

(۴۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لُعِنَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ ——— رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا، کہ:- بندۂ دینار خدا کی رحمت سے محروم ہو، اور بندۂ درہم خدا کی رحمت سے دُور رہے۔ (ترمذی)

(تشریح) جو لوگ مال و دولت اور دنانیر و دراہم کے پرستار ہیں اور انھوں نے دولت ہی کو اپنا معبود اور محبوب و مطلوب بنالیا ہے اس حدیث میں اُن سے بیزاری کا اعلان اور اُن کے حق میں بددعا ہے کہ وہ خدا کی رحمت سے محروم اور دُور رہیں۔

مال و دولت کی پرستش اور بندگی یہ ہے کہ اُس کی چاہت اور طلب میں بندہ ایسا گرفتار ہو کہ اللہ کے احکام اور حلال و حرام کی حدود کا بھی پابند نہ رہے۔

حضورؐ کا ارشاد، کہ مجھے تجارت اور دولت اندوزی کا حکم نہیں دیا گیا ہے

(۴۷) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ مُرْسَلًا[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُوحِيَ إِلَيَّ أَنْ أَجْمَعَ الْمَالَ وَأَكُوْنَ مِنَ التَّاجِرِيْنَ وَلٰكِنْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ ـــــ رواہ فی شرح السنۃ

(ترجمہ) جُبَیر بن نُفَیر تابعی سے روایت ہے، وہ بطریق ارسال[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے ارشاد فرمایا:- مجھے اللہ کی طرف سے اس کی وحی نہیں کی گئی، اور یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں مال و دولت جمع کروں، اور تجارت و سوداگری کو اپنا پیشہ اور مشغلہ بناؤں ـــــ بلکہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے، اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید

---

[1] کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث نقل کرتے ہیں، اور جن صحابی کے ذریعہ سے وہ حدیث اُن کو پہونچی ہوتی ہے اُن کا ذکر نہیں کرتے، ایسی حدیث مُرسَل کہلاتی ہے، اور تابعی کے اس طرح حدیث بیان کرنے کو "ارسال" کہتے ہیں۔ ۱۲

میں مشغول رہ، اور ہو جا اللہ کے حضور میں جھکنے والوں اور گرنے والوں میں سے
اور کر اپنے جا بندگی اپنے پروردگار کی، موت آنے تک۔ (شرح السنہ)

(تشریح) جن کو شریعت کے اصول و احکام کا کچھ علم ہے، وہ جانتے ہیں کہ تجارت اور اس کے ذریعہ دولت کمانا ناجائز نہیں ہے، اور شریعت کے احکام کا ایک بڑا حصہ تجارت وغیرہ مالی معاملات سے بھی متعلق ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اُن تاجروں کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، جو امانت داری، راستبازی اور دیانت داری کے ساتھ تجارت کرتے ہوں ——— لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو خاص مقام تھا اور جو کام اللہ تعالیٰ کو آپ سے لینا تھا، اُس میں تجارت جیسے کسی جائز معاشی مشغلے میں بھی مشغول ہونے کی گنجائش نہ تھی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو قناعت اور توکل کا وافر سرمایہ دے کر اِس فکر سے فارغ بھی فرما دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ مجھے تو اُن ہی کاموں میں اپنے کو لگانا ہے جن کا مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر اور حکم ہے، میرا کام تجارت اور دولت اندوزی نہیں ہے۔

آپ کے اُمتیوں میں بھی اللہ کے جو بندے خالص متوکلانہ طرزِ زندگی کو اپنے لئے پسند کریں، اور اس راستے کے شدائد و مصائب پر صبر کی ہمت رکھتے ہوں، اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی دولت اُن کو میسر ہو، تو اُن کیلئے بھی بلاشبہ یہی افضل ہے، لیکن جن کا یہ حال نہ ہو، اُن کو کسی جائز معاشی مشغلہ کا اختیار کرنا خاص کر ہمارے اِس زمانہ میں ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دولت و ثروت کی پیشکش، اور آپ کی فقر پسندی:-

(۴۸) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّيْ لِيَجْعَلَ لِيْ بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا يَا رَبِّ

وَلٰكِنْ اَشْبَعُ يَوْمًا وَاَجُوْعُ يَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ وَاِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُكَ وَشَكَرْتُكَ ـــــ رواہ احمد والترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوامامہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، کہ:- اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ میرے لئے وہ مکہ کی وادی کو (یا اُس کے کنکریزوں کو) سونا بنادے، اور سونے سے بھردے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے سامنے یہ بات رکھی گئی، کہ اگر تم دولت مند بننا چاہو، تو تمہارے لئے مکہ کی وادی کو ہم سونے سے بھر سکتے ہیں) تو میں نے عرض کیا کہ میرے پروردگار! میں اپنے لئے یہ نہیں مانگتا، بلکہ میں (ایسی ناداری اور غریبی کی حالت میں رہنا پسند کرتا ہوں، کہ) ایک دن پیٹ بھر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، تو جب مجھے بھوک لگے تو آپ کو یاد کروں، آپ کے سامنے عاجزی اور گریہ وزاری کروں، اور جب آپ کی طرف سے مجھے کھانا ملے اور میرا پیٹ بھرے، تو میں آپ کی حمد اور آپ کا شکر کروں۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر وفاقہ کی جس حالت میں زندگی گذاری، وہ اپنے لئے خود آپ نے پسند کی تھی، اور اپنے اللہ سے آپ نے اس کو خود مانگا تھا۔ (آپکی معیشت سے متعلق حدیثیں عنقریب ہی مستقل عنوان کے تحت درج کیجائینگی)۔

سب سے زیادہ قابلِ رشک بندہ:-

(۴۹) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ اَغْبَطُ اَوْلِیَائِیْ عِنْدِیْ لَمُؤْمِنٌ خَفِیْفُ الْحَاذِ ذُوْ حَظٍّ مِنَ الصَّلٰوةِ اَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَاَطَاعَهٗ فِی السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِی النَّاسِ

لَا يُشَارُ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ وَكَانَ رِزْقُهُ كَفَافًا فَصَبَرَ عَلَى ذَالِكَ ثُمَّ نَقَدَ بِيَدِهِ فَقَالَ عُجِّلَتْ مَنِيَّتُهُ قَلَّتْ بَوَاكِيهِ قَلَّ تُرَاثُهُ۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابلِ رشک میرے نزدیک وہ مومن ہے، جو سبک بار (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے بہت ہلکا پھلکا) ہو، نماز میں اُس کا بڑا حصہ ہو، اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ اور صفتِ احسان کے ساتھ کرتا ہو، اور اُس کی اطاعت و فرمانبرداری اُس کا شعار ہو، اور یہ سب کچھ اخفا کے ساتھ اور خلوت میں کرتا ہو، اور وہ چھپا ہوا اور گمنامی کی حالت میں ہو، اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جاتے ہوں، اور اُس کی روزی بھی بقدرِ کفاف ہو، اور وہ اس پر صابر و قانع ہو ——— پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے چٹکی بجائی (جیسے کہ کسی چیز کے ہو جانے پر اظہارِ تعجب یا اظہارِ حیرت کے لئے چٹکی بجاتے ہیں) اور فرمایا جلدی آگئی اُس کو موت، اور اُس پر رونے والیاں بھی کم ہیں، اُس کا ترکہ بھی بہت تھوڑا سا ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میرے دوستوں اور اللہ کے مقبول بندوں کے الوان و احوال مختلف ہیں، لیکن اُن میں بہت زیادہ قابلِ رشک زندگی اُن اہلِ ایمان کی ہے، جن کا حال یہ ہے کہ دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے وہ بہت ہلکے، مگر نماز اور عبادات میں اُن کا خاص حصہ، اور اس کے باوجود ایسے نامعروف اور گمنام کہ آتے جاتے کوئی اُن کی طرف انگلی اٹھا کے نہیں کہتا

کہ یہ فلاں بزرگ اور فلاں صاحب ہیں، اور ان کی روزی بس بقدرِ کفاف، لیکن وہ اس پر دل سے صابر و قانع ——— جب موت کا وقت آیا، تو ایک دم رخصت، نہ پیچھے زیادہ مال و دولت، اور نہ جائداد و مکانات اور باغات کی تقسیم کے جھگڑے، اور نہ زیادہ اُن پر رونے والیاں۔

بلاشبہ بڑی قابلِ رشک ہے اللہ کے ایسے بندوں کی زندگی، اور الحمدللہ کہ اس قسم کی زندگی والوں سے ہماری یہ دنیا اب بھی خالی نہیں ہے۔

خوش حالی چاہنے والی بیوی کو ابوالدرداءؓ کا جواب:۔

(۵۰) عَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ قُلْتُ لِاَبِی الدَّرْدَاءِ مَالَكَ لَا تَطْلُبُ كَمَا يَطْلُبُ فُلَانٌ فَقَالَ اِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَمَامَكُمْ عَقَبَةً كَئُوْدًا لَا يَجُوْزُهَا الْمُثْقِلُوْنَ فَاُحِبُّ اَنْ اُخَفِّفَ لِتِلْكَ الْعَقَبَةِ ———

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابوالدرداءؓ کی بیوی ام الدرداء سے روایت ہے کہ میں نے ابوالدرداء سے کہا، کہ:۔ کیا بات ہے، تم مال و منصب کیوں نہیں طلب کرتے، جس طرح کہ فلاں اور فلاں طلب کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا، کہ:۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، کہ:۔ تمھارے آگے ایک بڑی دشوار گذار گھاٹی ہے، اس کو گراں بار اور زیادہ بوجھ والے آسانی سے پار نہ کرسکیں گے۔ اسلئے میں یہی پسند کرتا ہوں کہ اس گھاٹی کو عبور کرنے کے لئے ہلکا پھلکا رہوں (اس وجہ سے میں اپنے لئے مال و منصب طلب نہیں کرتا)۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخیر دورِ حیات میں، اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایسی صورتیں پیدا ہو گئی تھیں کہ مختلف راہوں سے اموال آتے تھے، اور طالبین اور اہلِ حاجت کو تقسیم کئے جاتے تھے، اسی طرح بہت سے لوگوں کو خاص خدمات اور مناصب پر مقرر کیا جاتا تھا، اور اُن کو اس خدمت اور کارکردگی پر وظیفہ ملتا تھا، جس سے اُن کا گذارہ آسان ہو جاتا تھا ——— لیکن بعض صحابۂ کرامؓ اُس زمانہ میں بھی فقر و فاقہ کی زندگی ہی کو اپنے لئے پسند کرتے تھے، اُن ہی میں سے حضرت ابو الدرداءؓ بھی تھے، وہ آخرت کے محاسبہ اور محشر کی تکلیفوں اور سختیوں سے اُمن اسی میں سمجھتے تھے کہ دنیا سے کم سے کم حصہ لیا جائے، اور بس کسی طرح زندگی بسر ہو جائے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بتلایا تھا کہ آخرت کی دشوار گذار گھاٹیوں کو وہی لوگ آسانی سے عبور کر سکیں گے جو دنیا میں ہلکے پھلکے رہیں گے، اور جو لوگ دنیا میں اپنے اوپر زیادہ بوجھ لاد لیں گے وہ آسانی سے اُن گھاٹیوں کو پار نہ کر سکیں گے۔

موت اور افلاس میں خیر کا پہلو:-

(۱۵) عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِثْنَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ اٰدَمَ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ ——

(رواہ احمد)

(ترجمہ) محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- دو چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی ناپسند ہی کرتا ہے (حالانکہ ان میں اس کے لئے بڑی بہتری ہوتی ہے) ایک تو وہ موت کو نہیں پسند کرتا، حالانکہ موت اُس کے لئے فتنہ سے بہتر ہے، اور دوسرے وہ مال کی کمی اور تنگدستی کو

نہیں پسند کرتا، حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے۔ (مسند احمد)

(تشریح) واقعہ یہی ہے کہ ہر آدمی موت سے اور ناداری و افلاس سے گھبراتا ہے اور ان سے بچنا چاہتا ہے، حالانکہ موت اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے، کہ مرنے کے بعد آدمی دنیا کے دین سوز فتنوں سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے، اور مال و دولت کی کمی اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے کہ ناداروں اور مفلسوں کو آخرت میں بہت مختصر حساب دینا ہوگا، اور وہ اس سخت مرحلہ سے بڑی جلدی اور آسانی سے فارغ ہو جائیں گے ——— جب انسان افلاس و ناداری کی مصیبت میں گرفتار ہو، یا کسی عزیز قریب کی موت کا صدمہ اس کو پہنچا ہو تو اس وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے ارشادات سے بڑی تسکین اور تسلی حاصل کر سکتا ہے۔

عفیف اور عیالدار مفلس بندہ اللہ کا محبوب ہے:-

(۵۲) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الْفَقِيْرَ الْمُتَعَفِّفَ أَبَا الْعِيَالِ ——— رواہ ابن ماجہ۔

(ترجمہ) عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:- اللہ تعالیٰ کو اپنا وہ مومن بندہ بہت پیارا اور محبوب ہے جو غریب و نادار اور عیال دار ہو، اور اس کے باوجود باعفت ہو (یعنے ناجائز طریقے سے پیسہ حاصل کرنے سے اور کسی کے سامنے اپنی ضروریات ظاہر کرنے سے بھی پرہیز کرتا ہو)۔

(تشریح) بلاشبہ جو شخص افلاس اور فقر و فاقہ کی حالت میں بھی محرمات و مشتبہات

سے اپنی حفاظت کرے، اور اپنی تنگ حالی کا اظہار بھی نہ کرے، وہ بڑا باہمت اور اللہ کا پیارا بندہ ہے۔

جو بندگان خدا اس دنیا میں تنگ حالی و ناداری میں مبتلا کئے گئے ہیں اور غریبی اور فقر و فاقہ کی زندگی گذار رہے ہیں، کاش! وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حدیثوں سے تسلی اور سبق حاصل کریں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) والی، جو فقیرانہ و غریبانہ زندگی نصیب فرمائی ہے، اس کو اپنے حق میں نعمت سمجھ کر صابر و شاکر رہیں، تو فقر و فاقہ کی تکلیفیں ہی ان کے لئے سامانِ راحت و لذت بن جائیں۔

اپنی بھوک اور حاجتمندی کو لوگوں سے چھپانے والے کیلئے اللہ کا وعدہ:۔

(۵۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاعَ اَوْ اُصِيْبَ بِمُصِيْبَةٍ فَكَتَمَهُ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ يَّرْزُقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِّنْ حَلَالٍ ــــــــــــــ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو شخص بھوکا ہو، یا اس کو کوئی اور خاص حاجت ہو، اور وہ اپنی اس بھوک اور حاجت کو لوگوں سے چھپائے (یعنی ان کے سامنے ظاہر کر کے ان سے سوال نہ کرے) تو اللہ عزوجل کے ذمہ ہے، کہ اس کو حلال طریقے سے ایک سال کا رزق عطا فرمائے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اللہ کے ذمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنا یہ دستور مقرر فرمالیا ہے، اور جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر اور اس کی شانِ کریمی پر

دل کے پورے یقین کے ساتھ اس کا تجربہ کرے گا، انشاء اللہ وہ اس کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

زُہد اور اُسکے ثمرات و بَرکات

زُہد کے لغوی معنی کسی چیز سے بے رغبت ہو جانے کے ہیں، اور دین کی خاص اصطلاح میں آخرت کے لئے دنیا کے لذائذ و مرغوبات کی طرف سے بے رغبت ہو جانے اور عیش و تنعم کی زندگی ترک کر دینے کو زہد کہتے ہیں ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی اور اپنے ارشادات میں بھی اُمت کو زہد کی بڑی ترغیب دی ہے اور اس کے بہت کچھ دنیوی و اخروی ثمرات و برکات بیان فرمائے ہیں۔

زہد اختیار کرو، اللہ کے، اور بندوں کے، محبوب بن جاؤ گے:۔

(۵۴) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِيَ اللّٰهُ وَأَحَبَّنِيَ النَّاسُ قَالَ اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! مجھے ایسا کوئی عمل بتلائیے کہ جب میں اُس کو کروں، تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے، اور اللہ کے بندے بھی مجھ سے محبت کریں ——— آپ نے فرمایا کہ:۔ دنیا کی طرف سے اعراض اور بے رُخی اختیار کر لو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور جو (مال و جاہ) لوگوں کے پاس ہے اُس سے اعراض اور بے رُخی اختیار کر لو، تو

مَنْطِقِ فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَاِنَّهٗ يُلَقَّى الْحِكْمَةَ ــــــــــ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ اور ابوخلادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تم کسی بندہ کو اس حال میں دیکھو کہ اُس کو زہد، یعنی دنیا کی طرف سے بے رغبتی و بے رُخی اور کم سخنی (یعنی لغو اور فضول باتوں سے زبان کو محفوظ رکھنے کی صفت) اللہ نے نصیب فرمائی ہے، تو اُس کے پاس اور اُس کی صحبت میں رہا کرو، کیونکہ جس بندے کا یہ حال ہوتا ہے اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت کا القا ہوتا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حکمت کے القا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقتوں کو صحیح طور پر سمجھتا ہے اور اُس کی زبان سے وہی باتیں نکلتی ہیں جو صحیح اور نافع ہوتی ہیں، اسلئے اُسکی صحبت کیمیا اثر ہوتی ہے ــــــ قرآن مجید میں حکمت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ جس کو حکمت عطا کی جائے، اُس کو خیر کثیر عطا کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے زاہد بندوں کو نقد صلہ:۔

(۵۶) عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زَهِدَ عَبْدٌ فِي الدُّنْيَا اِلَّا اَنْبَتَ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فِيْ قَلْبِهٖ وَاَلْهَمَ بِهَا لِسَانَهٗ وَبَصَّرَهٗ عَيْبَ الدُّنْيَا وَدَاءَهَا وَدَوَاءَهَا وَاَخْرَجَهٗ مِنْهَا سَالِمًا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ ــــــــــ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ:۔ جو بندہ بھی زہد اختیار کرے (یعنی دنیا کی رغبت و چاہت اپنے دل سے نکال دے، اور اس کی خوش عیشی و خوش باشی کی طرف سے بے رغبتی اور بے رخی اختیار کرلے) تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے دل میں حکمت کو اگائے گا، اور اس کی زبان پر بھی حکمت کو جاری کرے گا، اور دنیا کے عیوب اور اس کی بیماریاں اور پھر اس کا علاج معالجہ بھی اس کو آنکھوں سے دکھائے گا، اور دنیا سے اس کو سلامتی کے ساتھ نکال کر جنت میں پہنچا دے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اوپر کی حدیث سے بھی معلوم ہوا تھا کہ دنیا میں جو شخص زہد اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکمت القا کی جاتی ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ کی اس حدیث سے اس کی اور زیادہ تفصیل اور تشریح معلوم ہوئی، اس حدیث میں:۔

اَثْبَتَ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فِيْ قَلْبِهٖ اللہ اس کے دل میں حکمت اگا دیتا ہے

کے بعد جو کچھ فرمایا گیا ہے، وہ گویا اسی حکمت کی تفصیل و تشریح ہے، اور مطلب یہ ہے کہ زہد اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی دنیا میں پہلا نقد صلہ یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلوب میں حکمت اور معرفت کا تخم ڈال دیتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے نشو و نما پاتا رہتا ہے، اور ترقی کرتا رہتا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی زبانوں سے حکمت ہی کا چشمہ جاری رہتا ہے، اور دنیا کے عیوب و امراض گویا ان کو آنکھوں سے دکھا دیئے جاتے ہیں، اور ان کے علاج معالجہ میں بھی ان کو خاص بصیرت عطا ہوتی ہے۔۔۔ اور دوسرا خاص انعام ان بندوں پر یہ ہوتا ہے کہ ان کو ایمان اور تقویٰ کی سلامتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس دنیا سے اٹھاتا ہے، اور وہ اس فانی دنیا سے نکال کر جاودانی عالم میں یعنی دار السلام جنت میں پہنچا دیئے جاتے ہیں۔

خاصانِ خدا عیش و تنعم کی زندگی نہیں گذارتے :-

(۵۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ بِہٖ اِلَی الْیَمَنِ قَالَ اِیَّاکَ وَالتَّنَعُّمَ فَاِنَّ عِبَادَ اللّٰہِ لَیْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِیْنَ ——— رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ کیا، تو نصیحت فرمائی کہ :- معاذ! آرام طلبی اور خوش عیشی سے بچتے رہنا۔ اللہ کے خاص بندے آرام طلب اور خوش عیش نہیں ہوا کرتے۔ (مسند احمد)

(تشریح) دنیا میں آرام و راحت اور خوش عیشی کی زندگی گذارنا اگرچہ حرام اور ناجائز نہیں ہے، لیکن اللہ کے خاص بندوں کا مقام یہی ہے کہ وہ دنیا میں تنعم کی زندگی اختیار نہ کریں۔

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَہ

جب کسی بندہ کو شرح صدر کی دولت نصیب ہوتی ہے، تو اُس کی زندگی میں دنیا سے بے رغبتی، اور آخرت کی فکر نمایاں ہو جاتی ہے :-

(۵۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ" ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ اِنْفَسَحَ فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ لِذٰلِکَ مِنْ عَلَمٍ یُعْرَفُ بِہٖ قَالَ نَعَمِ التَّجَافِیْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ

لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ ـــــــــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔ "فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام" (جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ اس کو اپنی راہ پر لگائے اور اپنی رضا اور اپنا قرب نصیب فرمائے۔ تو کشادہ کر دیتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لئے یعنی عبدیت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی کے لئے اُس کا دل کھول دیا جاتا ہے)۔ یہ آیت تلاوت فرمانے کے بعد اس کی تفصیل اور تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ:۔ نور جب سینہ میں آتا ہے تو سینہ اس کی وجہ سے کھل جاتا ہے ـــــــــ عرض کیا گیا:۔ یا رسول اللہ کیا اس حالت کی کوئی علامت بھی ہے جس سے اس کو پہچانا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ:۔ ہاں! دنیا جو دھوکے فریب کی جگہ ہے اس سے طبیعت کا ہٹ جانا اور اُچاٹ ہو جانا (یعنی زندگی میں زہد کی صفت آجانا) اور آخرت جو ہمیشہ قیام کی جگہ ہے، طبیعت کا اُس کی طرف رجوع ہو جانا، اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری میں لگ جانا (یعنی توبہ و استغفار، اور معاصی سے اجتناب، اور عبادت کی کثرت کے ذریعہ موت کی تیاری کرنا)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ کو اپنی خاص عبدیت سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں ایک خاص نور اور جذبۂ ربانی پیدا کر دیتا ہے، جس سے اس کا سینہ عبدیت والی زندگی کے لئے کھل جاتا ہے، اور پھر اس کے نتیجہ میں دنیا سے بے رغبتی و بے رخی اور آخرت کی فکر اور اللہ تعالیٰ کی لقا اور جنت کا شوق اور اُس کی تیاری یہ ساری چیزیں اُس کی زندگی میں اُبھر جاتی ہیں، اور ان کے ذریعہ اس بات کو جانا جا سکتا ہے کہ اس بندہ کو وہ خاص نور نصیب ہو گیا، اور جذبۂ ربانی اسکے دل میں ڈال دیا گیا ہے۔

اِس اُمّت کے صلاح کی بنیاد یقین اور زُہد ہے :۔

(۵۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْيَقِيْنُ وَالزُّهْدُ وَاَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْاَمَلُ ـــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) روایت ہے عمرو بن شعیب سے، وہ روایت کرتے ہیں اُپنے والد شعیب سے، اُور وہ روایت کرتے ہیں اُپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ :۔ اِس اُمّت کی پہلی نیکی اُور بہتری یقین اور زُہد ہے اُور اس کی پہلی خرابی بخل اُور دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اس اُمّت کی صلاح و فلاح اُور اسکے کمالات و ترقیات کی بنیاد اس کی دو صفتیں تھیں، ایک یقین اور دوسری زُہد، اُور جب اُمّت میں بگاڑ شروع ہوگا، تو سب سے پہلے یہ ہی دو صفتیں اس میں سے جائیں گی، اُور ان کی ضد بخل اُور دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو آئے گی۔ اور اس کے بعد خرابیوں اُور برائیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا، اُور اُمّت برابر گرتی ہی چلی جائے گی۔

شارحین نے جیسا کہ لکھا ہے :۔ اِس حدیث میں یقین سے مراد خاص اس حقیقت کا یقین ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ کسی کو ملتا ہے، اُور جو اچھی یا بُری حالت کسی پر آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے اُور اللہ کے فیصلہ سے آتی ہے[1] ـــــ اُور زہد کا مطلب جیسا کہ پہلے بھی

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں آتا ہے "اللھم انی اسئلک ایمانا دائما یباشر قلبی ویقینا صادقا حتی اعلم انہ لا یصیبنی الا ما کتبت لی" اُور ایک اُور دعا کے الفاظ ہیں "اللھم اقسم لنا ـــ من الیقین ما تھون بہ علینا مصائب الدنیا" ان دونوں دعاؤں میں بھی یقین کا یہی مطلب ہے۔ ۱۲

معلوم ہو چکا ہے یہ ہے کہ دنیا سے دل نہ لگایا جائے، اور اس کی ناپائیدار لذتوں اور راحتوں کو مطلوب و مقصود نہ بنایا جائے، اور اس یقین اور زہد کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے حاصل ہو جانے کے بعد آدمی اللہ کے راستے میں اور اعلیٰ مقاصد کے لئے جان و مال خرچ کرنے میں بخل نہیں کرتا، یعنی صاحب یقین اور زاہد کے لئے کسی اچھے مقصد کے لئے اور اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کر دینا اور خطرات میں کود پڑنا آسان ہو جاتا ہے اور یہی مومن کی ساری ترقیوں کی کنجی ہے ——— اور جب مومن ان صفات سے خالی ہو جائے، یعنی بجائے اللہ پر یقین کے اس کا یقین اپنے مال پر ہو جائے، اور وہ سمجھنے لگے کہ اگر مال میرے پاس ہوگا تو زندگی اچھی گذرے گی، اور مال نہ ہوگا تو میں تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤں گا، تو اس میں ضرور بخل پیدا ہو جائے گا، اور اسی طرح جب زہد کی صفت اس میں نہ رہے گی اور دنیا اس کی مطلوب و مقصود بن جائے گی تو اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی خواہش لازماً اس کے دل میں پیدا ہو جائے گی جس کو حدیث میں اَمَل سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ بخل اور اَمَل پیدا ہو جانے کے بعد مومن اپنے اصل مقام سے گرتا ہی چلا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی خاص غرض و غایت اور اس میں امت کے لئے خاص ہدایت یہ ہے کہ امت کی صلاح و فلاح کے لئے ضروری ہے کہ اس میں یقین اور زہد کی صفات پیدا کرنے کی، اور ان ایمانی صفات کی حفاظت کی پوری فکر اور جد و جہد کی جائے، اور بخل اور اَمَل (یعنی دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو) جیسی غیر ایمانی صفات سے اپنے قلوب کی حفاظت کی جائے، امت کی صلاح و فلاح اسی سے وابستہ ہے۔

زہد کیا ہے، اور کیا نہیں ہے:۔

(۶۰) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الزَّھَادَۃُ

فِي الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيمِ الْحَلَالِ وَلَا بِإِضَاعَةِ الْمَالِ وَلٰكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُونَ بِمَا فِي يَدَيْكَ أَوْثَقَ مِنْهَا فِي يَدَيِ اللّٰهِ وَأَنْ تَكُونَ فِي ثَوَابِ الْمُصِيبَةِ إِذَا أَنْتَ أُصِبْتَ بِهَا أَرْغَبَ فِيهَا لَوْ أَنَّهَا أُبْقِيَتْ لَكَ ـــــ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ دنیا کے بارے میں زہد اور اس کی طرف سے بے رغبتی (جو خاص ایمانی صفت ہے) وہ حلال کو اپنے پر حرام کرنے اور اپنے مال کو برباد کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ زہد کا اصل معیار اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس اور تمہارے ہاتھ میں ہو، اس سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ تم کو اس پر ہو جو اللہ کے پاس اور اللہ کے قبضہ میں ہے، اور یہ کہ جب تم کو کوئی تکلیف اور ناخوش گواری پیش آئے تو اس کے اخروی ثواب کی چاہت اور رغبت تمہارے دل میں زیادہ ہو بہ نسبت اس خواہش کے کہ وہ تکلیف اور ناگواری کی بات تم کو پیش ہی نہ آتی۔ (ترمذی وابن ماجہ)

(تشریح) بہت سے لوگ ناواقفی سے زہد کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی دنیا کی ساری نعمتوں، راحتوں اور لذتوں کو اپنے اوپر حرام کرلے۔ نہ کبھی لذیذ کھانا کھائے، نہ ٹھنڈا پانی پئے، نہ اچھا کپڑا پہنے، نہ کبھی اچھے نرم بستر پر سوئے، اور اگر کہیں سے کچھ آجائے، تو اس کو بھی اپنے پاس نہ رکھے، خواہ جلدی سے کہیں پھینک ہی دے ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی غلط خیالی کی اصلاح فرمائی ہے، آپ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ زہد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ نے اپنی جن نعمتوں کا استعمال بندوں کے لئے حلال کیا ہے، آدمی ان کو اپنے پر حرام کرلے، اور اگر روپیہ پیسہ ہاتھ میں آئے تو اسے برباد کردے، بلکہ زہد کا اصل معیار اور تقاضا یہ ہے کہ جو اس دنیا میں اپنے پاس اور اپنے ہاتھ میں ہو

اس کو فانی اور ناپائیدار یقین کرتے ہوئے اس پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرے، اور اس کے مقابلے میں اللہ کے غیر فانی غیبی خزانوں پر اور اس کے فضل پر زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرے، اور دوسرا معیار اور دوسری علامت زہد کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب کوئی تکلیف اور مصیبت بندہ کو پہونچ جائے تو اس کے اخروی اجر و ثواب کی چاہت اور رغبت اس کے دل میں اس مصیبت اور تکلیف کے نہ پہونچنے کی آرزو سے زیادہ ہو، یعنی بجائے اس کے کہ اس کا دل اس وقت یہ کہے کہ کاش یہ تکلیف مجھے نہ پہونچی ہوتی، اس کے دل کا احساس یہ ہو کہ آخرت میں مجھے اس تکلیف کا جو اجر و ثواب ملے گا، انشاء اللہ وہ تکلیف نہ پہونچنے کے مقابلے میں میرے لئے ہزاروں درجہ بہتر ہوگا ——— اور ظاہر ہے کہ آدمی کا یہ حال جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ اس کو عیش دنیا کے مقابلہ میں عیش آخرت کی زیادہ فکر ہو ——— اور یہی زہد کی اصل و اساس ہے۔

اس حدیث سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ بندوں کو اس دنیا میں عافیت اور راحت کے بجائے تکلیف اور مصیبت کی تمنا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کرنی چاہئے! دوسری حدیثوں میں اس سے صریح ممانعت آئی ہے، اور صحیح روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کو ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور خیریت ہی کی دعا اور استدعا کیا کرو (سَلُوا اللّٰہَ الْعَافِیَۃَ) اور خود آپ کا معمول و دستور بھی یہی تھا، پس حضرت ابوذرؓ کی مذکور بالا حدیث کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ بندہ اس دنیا میں مصائب اور تکالیف کی دعا یا تمنا کرے، بلکہ اس کا مطلب و مدعا صرف یہ ہے کہ جب اللہ کے حکم سے کوئی مصیبت یا تکلیف بندہ کو پہونچ جائے، تو پھر مومن کا مقام اور زہد کا تقاضا یہ ہے کہ اس مصیبت یا تکلیف کا جو اجر و ثواب آخرت میں ملنے والا ہے وہ اس کو اس کے نہ پہونچنے سے زیادہ محبوب و مرغوب ہو۔ ان دونوں باتوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

زہدِ نبویؐ

اپنے اور اپنے خاص متعلقین کیلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی:-

(۶۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ ـــــــ رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان وروٰہ ابن ماجہ عن ابی سعید۔

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ:- اے اللہ! مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں دنیا سے اٹھا، اور مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر فرما۔

(جامع ترمذی و شعب الایمان للبیہقی، اور ابن ماجہ نے اسی کو ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) ابھی چند صفحے پہلے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیشکش کی گئی کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لئے مکہ کی وادی کو سونے سے بھر دیا جائے، تو آپ نے عرض کیا کہ:- نہیں میرے پروردگار! میں تو یہی فقیرانہ زندگی چاہتا ہوں کہ ایک دن کھانے کو ہو، اور ایک دن کھانے کو نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچ سمجھ کر اپنے لئے فقیرانہ زندگی کو پسند فرمایا تھا، اور یہی آپ کی حقیقت شناس مبارک طبیعت کا بھی میلان تھا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا جو مقام و منصب تھا، اور جو کارِ عظیم آپ سے متعلق تھا اس کے لئے یہ فقر و مسکنت کی زندگی ہی زیادہ مناسب و بہتر تھی ـــــــ اور اگر اللہ تعالیٰ قناعت و طمانیت اور رضا و تسلیم نصیب فرمائے، تو بندوں کے لئے عام طور سے بھی دینی اور آخرتی نقطۂ نظر سے

بہ نسبت دولتمندی کے فقر و ناداری کی زندگی ہی افضل اور بہتر ہے۔

(۶۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا وَّفِیْ رِوَایَةٍ کَفَافًا۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، کہ:۔ اے اللہ! محمدؐ کے متعلقین کی روزی بس بقدر کفاف ہو۔

(بخاری ومسلم)

(تشریح) اصل عربی زبان میں آل کا لفظ گھر والوں یعنی بیوی بچوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور متبعین کے لئے بھی، لیکن اس دعا میں بظاہر آپ کی مراد آپ کے گھر والے ہی ہیں، اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ متعلقین سے کیا ہے، قُوت اور کفاف دونوں کا مطلب قریب قریب یہی ہے کہ روزی بس اتنی ہو کہ زندگی کا نظام چلتا رہے، نہ اتنی تنگی ہو کہ فاقہ زدگی اور پریشان حالی کی وجہ سے اپنے متعلقہ کام بھی نہ انجام دیئے جا سکیں اور دست سوال کسی کے سامنے پھیلانا پڑے، اور نہ اتنی فراغت ہو کہ کل کے لئے بھی ذخیرہ رکھا جا سکے ——— احادیث و سیر کی شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اسی طرح گذری۔

حضورؐ کی زندگی میں آپ کے گھر والوں نے کبھی دو دن جو کی روٹی سے بھی پیٹ نہیں بھرا

(۶۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ یَوْمَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ حَتّٰی قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے گھر والوں نے جَو کی روٹی سے بھی دو دن متواتر پیٹ نہیں بھرا، یہانتک کہ حضورؐ اس دنیا سے اُٹھا لئے گئے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کی پوری زندگی میں ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے اہل و عیال نے دو دن متواتر جَو کی روٹی بھی پیٹ بھر کھائی ہو۔ اگر ایک دن پیٹ بھر کھایا تو دوسرے دن بھوکے رہے۔

(۶۴) عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ مَرَّ بِقَوْمٍ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ شَاةٌ مَّصْلِيَّةٌ فَدَعَوْهُ فَاَبٰى اَنْ يَّاْكُلَ وَقَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ ——— رواہ البخاری۔

(ترجمہ) سعید مقبری حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کا گذر کچھ لوگوں پر ہوا (جو کھانے پر بیٹھے تھے) اور اُن کے سامنے بھنی ہوئی بکری رکھی ہوئی تھی، اُن لوگوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے بھی کھانے میں شریک ہونے کی استدعا کی، تو آپ نے انکار کر دیا، اور بطور معذرت کہا کہ (میرے لئے اِس کھانے میں کیا مزہ ہے، جبکہ مجھے معلوم ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اِس حال میں تشریف لے گئے، کہ جَو کی روٹی سے بھی آپ نے پیٹ نہیں بھرا۔ (بخاری)

رسول اللہ صلعم نے دنیا میں جو تکلیفیں اُٹھائیں وہ کسی نے بھی نہیں اُٹھائیں

(۶۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذٰى اَحَدٌ وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَيَّ ثَلٰثُوْنَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ

وَمَا لِیْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ یَّاْکُلُهٗ ذُوْ کَبِدٍ اِلَّا شَیْئٌ تَوَارٰی بِاِبْطِ بِلَالٍ ——— رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا، اور اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا، اور ایک دفعہ تیس دن رات مجھ پر اس حال میں گذرے کہ میرے اور بلال کے لئے کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے بجز اس کے جو بلال نے اپنی بغل میں دبا رکھا تھا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو سبق دینے کیلئے یہ آپ بیتی سنائی، کہ دین کی دعوت اور اللہ کا پیغام پہونچانے کے سلسلہ میں مجھے ایسی ایسی مصیبتوں سے گذرنا پڑا ہے، دشمنوں نے مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا کہ میرے سوا کسی کو اتنا نہیں ڈرایا دھمکایا گیا، اور جب میں نے اُن کی دھمکیوں کا اثر نہیں لیا، اور دین کی دعوت دیتا ہی رہا، تو اُن ظالموں نے مجھے اتنا ستایا اور ایسی ایسی تکلیفیں دیں کہ میرے سوا کسی کو ایسی تکلیفوں سے گذرنا نہیں پڑا، اور بھوک اور فاقہ کی تکلیف بھی اتنی اُٹھائی کہ ایک دفعہ پورے مہینہ کے تیس دن رات اس حالت میں گذر گئے کہ کھانے کی کوئی چیز نہ تھی، بجز اُس کے کہ بلال نے اپنی بغل میں کچھ دبا رکھا تھا، پورے مہینہ مجھے اور بلال کو اُسی پر گذارہ کرنا پڑا۔

دو دو مہینے تک حضورؐ کا چولھا ٹھنڈا رہتا تھا:۔

(۶۶) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ ابْنِ اُخْتِیْ اِنْ کُنَّا لَنَنْظُرُ اِلَی الْهِلَالِ ثُمَّ الْهِلَالِ ثَلٰثَةَ اَهِلَّةٍ فِیْ شَهْرَیْنِ وَمَا اُوْقِدَتْ

فِیْ اَبْیَاتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَارٌ فَقُلْتُ مَا کَانَ یُعَیِّشُکُمْ قَالَتْ اَلْاَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ اِلَّا اَنَّہٗ قَدْ کَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جِیْرَانٌ مِنَ الْاَنْصَارِ کَانَ لَھُمْ مَنَائِحُ وَکَانُوْا یَمْنَحُوْنَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَسْقِیْنَا ہٗ ——— رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے عروہ سے فرمایا: میرے بھانجے! ہم (اہلبیتِ نبوت) اس طرح گذارہ کرتے تھے، کہ کبھی کبھی لگاتار تین تین چاند دیکھ لیتے تھے (یعنی کامل دو مہینے گذر جاتے تھے) اور حضورؐ کے گھروں میں چولھا گرم نہ ہوتا تھا (عروہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ پھر آپ لوگوں کو کیا چیز زندہ رکھتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا: بس کھجور کے دانے اور پانی (ان ہی پر ہم جیتے تھے) ——— البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض انصاری پڑوسی تھے، اُن کے ہاں دودھ دینے والے جانور تھے، وہ آپ کے لئے دودھ بطور ہدیہ کے بھیجا کرتے تھے، اور اُس میں سے آپ ہم کو بھی دے دیتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ تنگی اور ناداری اس قدر تھی کہ حضورؐ کے گھر والوں پر دو دو مہینے ایسے گذر جاتے تھے کہ کسی قسم کا اناج، بلکہ پکنے والی کوئی چیز بھی گھر میں نہیں آتی تھی، جس کی وجہ سے چولھا جلانے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، بس کھجور اور پانی پر دن کاٹے جاتے تھے، یا کبھی پڑوس کے کسی گھر سے حضورؐ کے لئے دودھ آتا، تو وہ پیٹوں میں پہونچتا تھا، باقی بس اللہ کا نام!۔

آپ کے اور آپ کے گھر والوں کے مسلسل فاقے :-

(۶۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَاَهْلُهٗ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً وَاِنَّمَا كَانَ عَشَاءُهُمْ خُبْزَ الشَّعِيْرِ ـــــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی راتیں پے بہ پے اس حالت میں گذرتی تھیں کہ آپ اور آپ کے گھر والے خالی پیٹ فاقے سے رہتے تھے، کیونکہ رات کا کھانا نہیں پاتے تھے (اور جب کھاتے) تو اُن کا رات کا کھانا عام طور سے بس جَو کی روٹی ہوتی تھی۔ (ترمذی)

جب آپ کی وفات ہوئی، تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی :-

(۶۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهٗ مَرْهُوْنَةٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ بِثَلٰثِيْنَ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ۔

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں، کہ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے حال میں وفات پائی، کہ آپ کی زرہ ۳۰ صاع جَو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔

(بخاری)

(تشریح) ہمارے اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایک صاع قریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا، اس حساب سے ۳۰ صاع جَو قریب ڈھائی مَن کے ہوئے ـــــ حدیث کا

مقصد اور منشاء یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک کے بالکل آخری ایام میں بھی (جبکہ قریب قریب پورے عرب کے آپ فرمانروا بھی تھے) آپ کے گھر کے گذارہ کا حال یہ تھا کہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی قیمتی زرہ رہن رکھ کر آپ نے صرف بیس صاع جو وفات سے کچھ ہی پہلے قرض لئے تھے۔

مسلمانوں کو چھوڑ کر کسی یہودی سے قرض لینے کی مصلحت :-

مدینہ کے مسلمانوں میں بھی ایسے متعدد افراد ہونے کے باوجود جن سے ایسے چھوٹے چھوٹے قرضے غالباً ہر وقت لئے جا سکتے تھے، کسی یہودی سے قرض لینے کی چند مصلحتیں ہو سکتی ہیں :- ایک یہ کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے اہلِ محبت اور نیازمندوں میں سے کسی کو اس حالت اور اس قسم کی ضرورت کا علم ہو، کیونکہ پھر وہ بجائے قرض کے ہدیہ وغیرہ کے ذریعے آپ کی خدمت کرنا چاہتے، اور اس سے ان پر بار پڑتا، نیز اس صورت میں ان سے قرض منگوانے میں ایک قسم کی طلب اور تحریک ہو جاتی۔

اور غالباً دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچنا چاہتے تھے، کہ آپ کے ذریعہ اہلِ ایمان کو دین کی جو دولت ملی، اس کے عوض آپ کوئی حقیر سے حقیر بھی دنیوی فائدہ اُن سے اُٹھائیں، اس لئے مجبوری اور ضرورت کے موقع پر آپ قرض بھی غیر مسلموں سے لینا چاہتے تھے۔

تیسری مصلحت اس میں غالباً یہ بھی تھی کہ لین دین کے یہ تعلقات غیر مسلموں سے رکھنے میں اُن کی آمد و رفت اور ملنے جلنے کے مواقع پیدا ہوتے تھے اور اس کا راستہ کھلتا تھا، کہ وہ لوگ آپ کو اور آپ کی سیرت کو جانیں اور جانچیں، اور ایمان اور رضاءِ الٰہی کی دولت سے وہ بھی بہرہ یاب ہوں ——— چنانچہ یہ نتائج ظہور میں بھی آئے، مشکوٰۃ ہی میں امام بیہقی کی "دلائل النبوۃ" کے حوالہ سے مدینہ کے ایک بڑے دولتمند یہودی کا

یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ قرض لیا تھا، وہ تقاضہ کو آیا، تو آپ نے عذر کیا کہ اس وقت ہم خالی ہاتھ ہیں اسلئے تمہارا قرضہ ادا کرنے سے آج مجبور ہیں، اُس نے کہا کہ میں تو بغیر لئے نہیں جاؤں گا، چنانچہ جم کے وہیں بیٹھ گیا، یہاں تک کہ پورا دن گذر گیا اور رات بھی گذر گئی، اور حضورؐ نے اس دوران میں اُس یہودی کی موجودگی ہی میں ظہر، عصر، مغرب، عشا، اور فجر کی نمازیں ادا فرمائیں، اور وہ نہیں ٹلا، بعض صحابہ کو اُس کی یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی اور انھوں نے چپکے چپکے اُس کو ڈرایا دھمکایا، تاکہ وہ کسی طرح چلا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا پتہ چل گیا تو آپ نے فرمایا، کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ کسی معاہد پر کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو، یہ سُن کر اُن صحابہ کو بھی خاموش ہو جانا پڑا، پھر کچھ وقت گذرنے کے بعد اُس یہودی نے کہا، کہ دراصل میں روپیہ کے تقاضے کے لئے نہیں آیا تھا، بلکہ میں دیکھنا اور جانچنا چاہتا تھا، کہ وہ اوصاف و علامات آپ میں موجود ہیں یا نہیں جو تورات میں آخری زمانے میں آنے والے پیغمبر کے بیان کئے گئے ہیں، اب میں نے دیکھ لیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ہی وہ نبی موعود ہیں، اسکے بعد اُسنے کلمۂ شہادت پڑھا، اور اپنی ساری دولت حضورؐ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا: "هٰذَا مَالِيْ فَاحْكُمْ فِيْهِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰهُ" یہ میرا سارا مال حاضر ہے، اب آپ اللہ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق اسکے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرمائیں، اور جس مصرف میں چاہیں اس کو صرف فرمائیں۔

(مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم)

خوشحالی کیلئے دُعا کی درخواست پر حضرت عمرؓ کو آپ کا جواب:۔

(۶۹) عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى رِمَالِ حَصِيْرٍ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ فِرَاشٌ

قَدْ اَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهٖ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِيْفٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى اُمَّتِكَ فَاِنَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ فَقَالَ اَوَفِيْ هٰذَا اَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِيْ رِوَايَةٍ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةُ ——— رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ کھجور کے پتوں سے بُنی ہوئی ایک چٹائی پر آپ لیٹے ہوئے ہیں، اور اس کے اور آپ کے جسم مبارک کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے، اور چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے پہلوئے مبارک پر گہرے نشانات ڈال دیئے ہیں، اور سرہانے چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال کوٹ کے بھری ہوئی ہے، یہ حالت دیکھ کے میں نے عرض کیا، کہ: حضورؐ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ آپ کی امت کو فراغی اور خوش حالی عطا فرمائے، روم اور فارس والوں کو بھی اللہ نے فراغی دی ہے، حالانکہ وہ تو خدا پرست بھی نہیں ہیں: آپ نے فرمایا:۔ اے ابن خطاب! کیا تم بھی اس حال میں اور اس خیال میں ہو؟ یہ سب تو وہ لوگ ہیں (جو اپنی خدا فراموشی اور کافرانہ زندگی کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے محروم و بے نصیب کئے گئے ہیں، اور اسلئے) ان کی وہ لذتیں (جو اللہ اُن کو دینا چاہتا تھا) اسی دنیا میں اُن کو دے دی گئی ہیں۔ اور ایک روایت میں حضورؐ کا جواب اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا:۔ اے عمرؓ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اُن کے لئے دنیا کا عیش ہو، اور

ہمارے لئے آخرت کا عیش۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقیرانہ زندگی اور اس کی تکلیفوں کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل دکھا، اور یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اتنی وسعت اور خوش حالی عطا فرما دیتے کہ یہ تکلیفیں نہ دیکھی جاتیں، اور چونکہ حضورؐ کے متعلق جانتے تھے کہ آپ اپنے لئے دنیا کی وسعت اور دولت مندی کی دعا اللہ تعالیٰ سے نہیں کریں گے، اسلئے عرض یہ کیا، کہ حضور اپنی اُمّت کے لئے وسعت اور فراخی کی دعا فرمائیں، اور اسی کے ساتھ اپنا یہ خیال بھی ظاہر کر دیا، کہ دنیا کی وسعت و دولت جب ایسی معمولی چیز ہے، کہ اللہ نے روم و فارس جیسی کافر قوموں کو بھی دے رکھی ہے تو آپ کی دعا سے آپ کی اُمّت کو کیوں نہ عطا فرمائی جائے گی ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکی اس گذارش پر بطور تنبیہ کے حیرت و استعجاب کے ساتھ فرمایا، کہ، ۔ اے فرزند خطاب! کیا تم بھی ابھی حقیقت ناشناسی کے اُس مقام پر ہو کہ ایسی بات کرتے ہو! ——— روم و فارس وغیرہ کی یہ قومیں جو ایمان اور خدا پرستی سے محروم ہیں، اُن کا معاملہ تو یہ ہے کہ آخرت کی اُس زندگی میں جو اصلی اور حقیقی زندگی ہے ان بیچاروں کو کچھ نہیں ملنا ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ جو کچھ عیش و راحت ان کو دینا چاہتا تھا، وہ اسی دنیا میں دے دیا گیا ہے ایسی حالت میں اُن کے عیش و آرام اور اُن کی دولت مندی کو دیکھ کر اُس پر للچانا، اور اس کی حرص کرنا، حقیقت شناسی سے بہت بعید بات ہے، تم کو تو فکر و طلب بس آخرت کی ہونی چاہئے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے، یہ دنیا تو بس چند روزہ قیام کی سرائے ہے، کیا یہاں کی تکلیف اور کیا یہاں کا عیش و آرام!۔

میں اس دنیا میں اُس مسافر کی طرح ہوں جو سایہ کیلئے کسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا ہو:۔

(۷۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نَامَ عَلٰى حَصِيْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِيْ جَسَدِهٖ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَبْسُطَ لَكَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ مَا لِيْ وَ لِلدُّنْيَا وَمَا اَنَا وَالدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا ——— رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) کھجور کی چٹائی پر سوئے، پھر جب سو کے آپ اُٹھے، تو جسم مبارک میں اُس چٹائی کی بناوٹ کے نشانات پڑے ہوئے تھے (اس حالت کو دیکھ کر اور اس سے متاثر ہو کر) اس خادم ابن مسعود نے عرض کیا، کہ اگر حضور فرماویں تو ہم حضرت کے لئے بستر کا انتظام کریں، اور کچھ بنائیں (یعنی آپ سے اس کی اجازت چاہی) ارشاد فرمایا۔ مجھے دنیا سے (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور اس کی راحتوں اور لذتوں سے) کیا تعلق اور کیا لینا! میرا تعلق دنیا کے ساتھ بس ایسا ہے، جیسا کہ کوئی سوار مسافر کچھ دیر سایہ لینے کے لئے کسی درخت کے نیچے ٹھہرا، اور پھر اُس کو اپنی جگہ چھوڑ کے منزل کی طرف چل دیا۔

(مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ مسافر درخت کے نیچے ٹھہرنے کے تھوڑے سے وقت کے لئے راحتوں کے انتظامات کرنا ضروری نہیں سمجھتا، اور منزل مقصود پر پہونچنے کی فکر کے سوا اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی، بس یہی میرا حال ہے ——— اور حق یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی حقیقت جس پر پوری طرح منکشف ہو جائے تو اُس کا حال اِس کے سوا کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا ——— اس کو دنیا میں راحتوں کے بڑے بڑے انتظامات کی فکر کرنا، اور اس کے لئے

اپنے وقت اور اپنی صلاحیتوں کا صرف کرنا ایسا ہی کار حماقت معلوم ہوگا جیسا کہ درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنے والے مسافر کا اس ذرا سے وقت کے لئے بڑے بڑے انتظامات میں مشغول ہونا۔

دولت اگر صلاح و تقوے کیساتھ ہو، تو وہ بھی اللہ کی نعمت ہے:۔

پچھلے صفحات میں جو حدیثیں دولت کی مذمت اور فقر و زہد کی فضیلت میں گذر چکی ہیں، اگرچہ اُن کی تشریح میں جا بجا اشارہ کیا جا چکا ہے، کہ دولت صرف وہی خطرناک ہے جو خدا سے غفلت اور آخرت کی طرف سے بے پروائی پیدا کرے ——— لیکن اگر ایسا نہ ہو بلکہ بندہ اللہ کی توفیق سے دولت کے ذریعہ بھی اللہ کی رضا اور جنت کمائے، تو پھر ایسی دولت خدا کی بڑی نعمت ہے ——— آگے درج ہونے والی حدیثوں میں یہی مضمون صراحت اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

(۱۷) عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّا فِيْ مَجْلِسٍ فَطَلَعَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى رَاْسِهٖ اَثَرُ مَاءٍ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَاكَ طَيِّبَ النَّفْسِ قَالَ اَجَلْ قَالَ ثُمَّ خَاضَ الْقَوْمُ فِيْ ذِكْرِ الْغِنٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَاْسَ بِالْغِنٰى لِمَنِ اتَّقَى اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَالصِّحَّةُ لِمَنِ اتَّقٰى خَيْرٌ مِّنَ الْغِنٰى وَطِيْبُ النَّفْسِ مِنَ النَّعِيْمِ ——— رواہ احمد۔

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ ہم چند آدمی ایک مجلس میں بیٹھے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں ہمارے پاس تشریف لے آئے، اور آپ کے سر مبارک پر اُسوقت پانی کا

اثر تھا (یعنی معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے ابھی غسل فرمایا ہے) تو ہم میں سے کسی نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت حضور کا مزاج بہت اچھا، اور دل بہت خوش ہے؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ ہاں! (الحمد للہ ایسا ہی ہے) پھر اہل مجلس دولت مندی اور دنیوی خوشحالی کا کچھ تذکرہ کرنے لگے (کہ وہ اچھی چیز ہے یا بُری، اور دین اور آخرت کے لئے مضر ہے یا مفید) تو آپ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا، کہ:۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے (اور اسکے احکام کی پابندی کرے) اُس کے لئے مالداری میں کوئی مضائقہ اور کوئی حرج نہیں، اور صحت مندی صاحبِ تقویٰ کے لئے دولت مندی سے بھی بہتر ہے، اور خوش دلی بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے (جس کا شکر واجب ہے)۔ (مسند احمد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دولت مندی اور مالداری اگر تقویٰ کے ساتھ ہو، یعنی اللہ کا خوف، آخرت کی فکر، اور احکام شریعت کی پابندی نصیب ہو، تو اس میں دین کے لئے کوئی خطرہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے، تو اس صورت میں یہی مال و دولت دین کی بڑی سے بڑی ترقیوں اور جنت کے اعلیٰ درجوں تک پہونچنے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب و امتیازات میں کافی حصہ اُن کے اُس مال و دولت ہی کا ہے جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے دریغ اور بے حساب خرچ کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقعوں پر اُن کے حق میں بڑی بڑی بشارتیں سنائی تھیں ——— البتہ اس میں شک نہیں کہ دولت مندی کے ساتھ تقویٰ، یعنی خدا ترسی اور فکرِ آخرت اور اتباعِ شریعت کی توفیق کم ہی لوگوں کو ملتی ہے، ورنہ دولت کے نشہ میں اکثر لوگ بہک ہی جاتے ہیں۔ ع

"چوں بدولت برسی مست نگردی مردی"

(۷۲) عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُس متقی دولت مند بندہ سے جو (تقویٰ اور دولت مندی کے باوجود) نامعروف اور چھپا ہوا ہو۔

(مسلم)

(تشریح) "چھپا ہوا" ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ لوگ اُس کی اِس خاص حالت کو عام طور سے جانتے بھی نہ ہوں کہ دولت مند اور صاحبِ ثروت ہونے کے ساتھ تقوے میں بھی اس بندۂ خدا کا خاص مقام ہے، جس بندہ میں یہ تینوں چیزیں جمع ہوں، اُس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے، اور اُس کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام حاصل ہے۔

نیک مقاصد کیلئے دنیا کی دولت حاصل کرنے کی فضیلت:-

(۷۳) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا اِسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَسَعْيًا عَلٰى أَهْلِهٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰى جَارِهٖ لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَوَجْهُهٗ مِثْلُ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالًا مُكَاثِرًا مُفَاخِرًا مُرَائِيًا لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان وابو نعیم فی الحلیۃ۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:- جو شخص دنیا کی دولت بطریق حلال اس مقصد سے حاصل

کرنا چاہے، تاکہ اُس کو دوسروں سے سوال کرنا نہ پڑے، اور اپنے اہل و عیال کے لئے روزی اور آرام و آسائش کا سامان مہیا کرسکے، اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی وہ احسان اور سلوک کرسکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور میں اس شان کے ساتھ حاضر ہوگا، کہ اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور چمکتا ہوگا ——— اور جو شخص دنیا کی دولت حلال ہی ذریعے سے اس مقصد سے حاصل کرنا چاہے کہ وہ بہت بڑا مالدار ہوجائے، اور اس دولت مندی کی وجہ سے وہ دوسروں کے مقابلے میں اپنی شان اونچی دکھا سکے، اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بننے کے لئے داد و دہش کرسکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس حال میں حاضر ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ اُس پر سخت غضبناک ہوگا۔ (شعب الایمان للبیہقی و حلیہ ابی نعیم)

(تشریح) معلوم ہوا کہ اچھی نیت سے اور نیک مقصد کے لئے دنیا کی دولت حلال ذریعے سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا، نہ صرف یہ کہ جائز اور مباح ہے، بلکہ وہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ قیامت کے دن ایسا شخص جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوگا، تو اُس پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل و کرم ہوگا، جس کے نتیجہ میں اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور منور ہوگا، لیکن اگر دولت کمانے سے غرض صرف بڑا دولت مند بننا، اور دنیا کی بڑائی حاصل کرنا، اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے بڑے بڑے کام کرنا ہو، تو یہ دولت کمانا اگرچہ حلال ہی طریقے سے ہو، تب بھی یہ ایسا گناہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوگا، اور اگر ناجائز اور حرام طریقوں سے ہو، تب تو سخت ترین وبال ہے۔

(۴۴) عَنْ اَبِیْ کَبْشَۃَ الْاَنْمَارِیِّ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ثَلٰثٌ اُقْسِمُ عَلَیْھِنَّ وَاُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا

فَاحْفَظُوْهُ فَاَمَّا الَّذِیْ اُقْسِمُ عَلَیْهِنَّ فَاِنَّهٗ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ
مِنْ صَدَقَةٍ وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلِمَةً صَبَرَ عَلَیْهَا اِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ
بِهَا عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْهَا
بَابَ فَقْرٍ وَاَمَّا الَّذِیْ اُحَدِّثُکُمْ فَاحْفَظُوْهُ فَقَالَ اِنَّمَا الدُّنْیَا
لِاَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ یَتَّقِیْ فِیْهِ
رَبَّهٗ وَیَصِلُ رَحِمَهٗ وَیَعْمَلُ لِلّٰهِ فِیْهِ بِحَقِّهٖ فَهٰذَا بِاَفْضَلِ
الْمَنَازِلِ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ یَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ
صَادِقُ النِّیَّةِ یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ
فَاَجْرُهُمَا سَوَاءٌ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَّلَمْ یَرْزُقْهُ عِلْمًا
فَهُوَ یَتَخَبَّطُ فِیْ مَالِهٖ بِغَیْرِ عِلْمٍ لَا یَتَّقِیْ فِیْهِ رَبَّهٗ وَلَا یَصِلُ
فِیْهِ رَحِمَهٗ وَلَا یَعْمَلُ فِیْهِ بِحَقٍّ فَهٰذَا بِاَخْبَثِ الْمَنَازِلِ
وَعَبْدٍ لَمْ یَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَهُوَ یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ
لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِیْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ نِیَّتُهٗ وَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) ابوکبشہ انماری سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، آپ فرماتے تھے، کہ تین باتیں ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں، اور ان کے علاوہ ایک اور بات ہے جس کو میں تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں، پس تم اس کو یاد کر لیجیو! جن تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں، اُن میں ایک تو یہ ہے کہ کسی بندہ کا مال صدقہ کی وجہ سے کم نہیں ہوتا، (یعنی کوئی شخص اپنا مال راہِ خدا میں دینے کے سبب سے کبھی مفلس و نادار نہیں ہوگا، بلکہ اس کے مال میں برکت ہوگی، اور جس خدا

کی راہ میں وہ صدقہ کرے گا، وہ اپنے خزانۂ غیب سے اُس کو دیتا رہے گا)۔
اُور (دُوسری بات یہ ہے کہ) نہیں ظلم کیا جائے گا کسی بندہ پر ایسا ظلم جس پر وہ مظلوم بندہ صبر کرے، مگر اللہ تعالیٰ اُسکے عوض بڑھا دے گا اُس کی عزت (یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ قانون مقرر فرمایا ہے کہ جب کسی بندہ پر ناحق کوئی ظلم کیا جائے، اور اُس کو ستایا جائے، اُور وہ بندہ صبر کرے، تو اللہ تعالیٰ اُسکے عوض اس کی عزت و رفعت دنیا میں بھی بڑھائے گا)۔
اُور (تیسری بات یہ ہے کہ) نہیں کھولے گا کوئی بندہ سوال کا دروازہ، مگر اللہ کھول دے گا اُس پر فقر کا دروازہ (یعنی جو بندہ مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانے کا پیشہ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے کہ فقر و محتاجی اُس پر مسلط ہوگی، گویا یہ تینوں اللہ کے ایسے اٹل فیصلے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:۔ میں ان پر قسم کھا سکتا ہوں۔
اسکے بعد آپ نے فرمایا) ـــــ اُور جو بات میں ان کے علاوہ تم سے بیان کرنا چاہتا تھا، جس کو تمہیں یاد کر لینا اُور یاد رکھنا چاہئے، وہ یہ ہے کہ دُنیا چار قسم کے آدمیوں کے لئے ہے (یعنی اِس دنیا میں چار طرح کے آدمی ہیں) ـــــ ایک وہ بندے جن کو اللہ نے مال دیا ہے، اُور صحیح طریق زندگی کا علم بھی ان کو دیا ہے، پس وہ اس مال کے صرف و استعمال میں اللہ سے ڈرتے ہیں، اُور اسکے ذریعہ صلۂ رحمی (یعنی اپنے اعزہ و اقارب کے ساتھ سلوک اُور ان کی ہمدردی) کرتے ہیں، اُور اس میں جو عمل اُور تصرف کرنا چاہیئے اللہ کی رضا کے لئے وہی کرتے ہیں۔ پس ایسے بندے سب سے اعلیٰ و افضل مرتبہ پر فائز ہیں ـــــ اُور (دُوسری قسم) وہ بندے ہیں جن کو اللہ نے صحیح علم (اُور صحیح جذبہ) تو عطا فرمایا ہے، لیکن اُن کو مال نہیں دیا، پس اُنکی

نیت صحیح اور سچی ہے، اور وہ اپنے دل و زبان سے کہتے ہیں، کہ ہمیں مال مل جائے، تو ہم بھی فلاں (نیک بندے) کی طرح اس کو کام میں لائیں، (اور اللہ کی ہدایت کے مطابق وہ جن اچھے مصارف میں صرف کرتا ہے، ہم بھی اُن ہی میں صرف کریں) پس ان دونوں کا اجر برابر ہے (یعنی دوسری قسم کے اُن لوگوں کو حُسنِ نیت کی وجہ سے پہلی قسم والوں کے برابر ہی ثواب ملے گا) ——— اور (تیسری قسم) وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے مال دیا، اور اسکے صرف و استعمال کا صحیح علم (اور صحیح جذبہ) نہیں دیا، پس وہ نادانی کے ساتھ، اور خدا سے بے خوف ہو کر اس مال کو اندھا دھند غلط راہوں میں خرچ کرتے ہیں، اسکے ذریعہ صلۂ رحمی نہیں کرتے، اور جس طرح اُس کو صرف و استعمال کرنا چاہئے اُس طرح نہیں کرتے، پس یہ لوگ سب سے بُرے مقام پر ہیں ——— اور (چوتھی قسم) وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے مال بھی نہیں دیا، اور صحیح علم (اور صحیح جذبہ) بھی نہیں دیا، پس اُن کا حال یہ ہے، کہ وہ کہتے ہیں، کہ اگر ہمیں مال مل جائے، تو ہم بھی فلاں (عیاش اور فضول خرچ) شخص کی طرح، اور اُسی کے طریقے پر صرف کریں (یعنی اس شخص کی طرح ہم بھی عیاشی اور فضول خرچی کریں) پس یہی اُن کی نیت ہے اور ان دونوں گروہوں کا گناہ برابر ہے (یعنی آخری قسم کے لوگوں کو اُنکی بُری نیت کی وجہ سے وہی گناہ ہوگا، جو تیسری قسم کے لوگوں کو اُن کے بُرے اعمال کا گناہ ہوگا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کے نفسِ مطلب کی وضاحت ترجمہ کے ساتھ ساتھ کر دیگئی ہے، البتہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ بُرے عمل کی جس نیت پر گرفت ہے، اور جو گو یا بُرے عمل ہی کی طرح گناہ ہے، وہ عزم کا درجہ ہے، یعنی بندہ کو اس گناہ کا شوق، اور اپنی طرف سے

اُسکے کر گذرنے کا مصمم ارادہ ہو، چاہے کسی مجبوری کی وجہ سے پھر کر نہ سکے۔ پس جب کسی گناہ کی نیت اِس درجہ کی ہوگی، تو اس گناہ ہی کی طرح وہ بھی معصیت ہوگی، اور بندہ اس پر سزا کا مستحق ہوگا۔

معصیت کی زندگی کیسی؟ اگر دنیا میں نعمتیں مل رہی ہیں تو یہ استدراج ہے:-

(۷۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُعْطِي الْعَبْدَ عَلٰى مَعَاصِيهِ مَا يُحِبُّ فَإِنَّمَا هُوَ اِسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوْا بِمَا أُوْتُوْا أَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُوْنَ ——— رواہ احمد۔

(ترجمہ) عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اُس کی معصیت کوشی اور نافرمانی کے باوجود دنیا کی وہ نعمتیں (مال و دولت اور راحت و عزت وغیرہ) دے رہا ہے، جن کا وہ بندہ خواہاں اور طالب ہے، تو سمجھ لو کہ وہ اُس کے حق میں استدراج ہے ——— یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور استشہاد کے) قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ الآیۃ جس کا ترجمہ یہ ہے، کہ ——— جب انھوں نے بھلا دیا اُن باتوں کو، جن کی اُن کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے کھول دیئے اُن پر دنیا کی سب نعمتوں کے دروازے، یہاں تک کہ جب وہ ان نعمتوں کے ملنے پر خوب مست ہوئے، اور اترائے، تو ہم نے ایک دم

ان کو اپنی سخت پکڑ میں لے لیا، پس وہ حیران و ششدر اور آئندہ کیلئے بالکل ناامید ہو کر رہ گئے۔ (مسند امام احمد)

(تشریح) اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جو قوانین چل رہے ہیں، جن کے مطابق افراد یا اقوام کے ساتھ وہ معاملہ فرماتا ہے اُن میں سے ایک "استدراج" بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کا کوئی مجرم اور باغی بندہ یا گروہ معصیت کوشی اور سرکشی میں حد سے بڑھ جاتا ہے، اور آخرت اور خدا کے احکام سے بالکل بے پروا اور بے فکر ہو کر زندگی گذارنے لگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس سے سخت ناراض ہو کر کبھی کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اُس کی رسّی اور دراز کر دی جاتی ہے، اور کچھ مدت کے لئے نعمتوں کے دروازے اُس پر کھول دیئے جاتے ہیں، تاکہ وہ اور زیادہ اطمینان اور سرمستی کے ساتھ اس خدا فراموشی اور سرکشی میں آگے بڑھتا رہے، اور پھر بڑی سے بڑی سزا پائے ——— دین کی خاص زبان میں اللہ تعالیٰ کے اس معاملہ کو "استدراج" کہا جاتا ہے ——— پس مندرجۂ بالا حدیث کا مطلب یہ ہوا، کہ جب کسی بندہ یا گروہ کو تم اس حال میں دیکھو کہ وہ خدا اور آخرت کو بالکل بھلا کر مجرمانہ اور باغیانہ زندگی گذار رہے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو انواع و اقسام کی نعمتیں مل رہی ہیں، اور وہ دنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں، تو کسی کو یہ مغالطہ نہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو کر اپنی نعمتیں اُن پر اُنڈیل رہا ہے، بلکہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی رسّی دراز کر رہا ہے، اور اُن کا آخری انجام بہت بُرا ہونے والا ہے۔

کافروں، فاجروں کی خوش حالی پر رشک نہ کرو:۔

(۷۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَغْبِطَنَّ فَاجِرًا بِنِعْمَةٍ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَا هُوَ لَاقٍ

بَعْدَ مَوْتِهٖ اِنَّ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ قَاتِلًا لَا يَمُوْتُ يَعْنِي النَّارَ۔

(رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم کسی بدکار (کافر یا فاسق) پر کسی نعمت اور خوش حالی کی وجہ سے کبھی ہرگز رشک نہ کرنا، تم کو معلوم نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اس پر کیا کیا مصیبتیں پڑنے والی ہیں، اللہ کے یہاں (یعنی آخرت میں) اس کے لئے ایک ایسا قاتل ہے جس کو کبھی موت نہیں ——— (اس حدیث کو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرنے والے راوی عبداللہ بن ابی مریم کہتے ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب اس "قاتل" سے دوزخ کی آگ ہے، (یعنی وہ بیچارا ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہنے والا ہے، پس ایسے شخص پر رشک کرنا کتنی بڑی حماقت اور گمراہی ہے)۔ (شرح السنۃ)

(تشریح) بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک مومن اور نیکوکار بندہ جو اس چند روزہ امتحانی دنیا میں تنگی اور تکلیف کی زندگی بسر کر رہا ہے، جب وہ کسی بدکار اور خدا سے تعلق نہ رکھنے والے آدمی کو دیکھتا ہے کہ وہ ٹھاٹھ کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی گذار رہا ہے، تو شیطان اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے، اور کم سے کم یہ کہ دل میں اس کی حالت پر رشک ہی پیدا ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بڑی ناشکری ہے ——— پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی، کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی نعمت سے محروم ہیں، اور خدا فراموشی اور بداعمالی کی وجہ سے آخرت کی دوامی زندگی میں عذاب نار میں گرفتار ہونے والے ہیں، اس دنیا میں ان کی چند روزہ خوش حالی اور عیش و راحت کو دیکھ کر ہرگز کسی صاحب ایمان کو ان پر رشک بھی نہ آنا چاہئے، ان بیچاروں، کمبختی کے ماروں کا جو آخری انجام ہونے والا ہے، اور ان پر جو پڑنا

پڑنے والی ہے، اگر وہ معلوم ہو جائے تو ان کی اس خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل ایسی نظر آئے گی جیسے کہ پھانسی پانے والے مجرم کو دو چار دن پہلے سے خاص سہولتیں دی جاتی ہیں، اور کھانے پینے کے بارہ میں اُس کی خواہش اور چاہت معلوم کر کے حتی الوسع اس کو پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آخرت کے اُن حقائق کا یقین نصیب فرمایا ہے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اُن کی نظر میں خدا کے مجرموں اور باغیوں کی دنیوی خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل یہی ہے اسلئے ان کے دلوں میں ان کو دیکھ کر رشک نہیں پیدا ہوتا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُسنے ہم کو ایمان نصیب فرما کر ان بیچاروں کے بُرے حال اور بُرے انجام سے بچا لیا ہے۔

اِس عاجز نے اللہ کے بعض بندوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ خدا فراموش اہلِ دنیا کو دیکھ کر بے اختیار اُن کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کی یہ دعا جاری ہو جاتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھا کرتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ	ساری حمد و ستائش اُس اللہ کیلئے ہے
مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ	جسنے مجھے اِس مصیبت سے محفوظ رکھا جس میں
عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا۔	اے بندے تو مبتلا کیا گیا ہے، اور اُس نے
	مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر برتری عطا فرمائی

کسی کی ظاہری خستہ حالی اور غربت کی وجہ سے اُس کو حقیر نہ سمجھو:۔

(۷۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهٗ جَالِسٌ مَا رَأْیُكَ

فِي هٰذَا؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِ النَّاسِ، هٰذَا وَاللّٰهِ حَرِيٌّ
إِنْ خَطَبَ أَنْ يُنْكَحَ وَإِنْ شَفَعَ أَنْ يُشَفَّعَ، قَالَ فَسَكَتَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ فَقَالَ لَهُ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأْيُكَ فِي هٰذَا؟ فَقَالَ
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ، هٰذَا حَرِيٌّ
إِنْ خَطَبَ أَنْ لَا يُنْكَحَ وَإِنْ شَفَعَ أَنْ لَا يُشَفَّعَ وَإِنْ قَالَ
أَنْ لَا يُسْمَعَ لِقَوْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ مِّلْءِ الْأَرْضِ مِثْلَ هٰذَا ——— رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک شخص (جو غالباً دولت مند اور معززین میں سے تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گذرا، تو آپ نے ایک صاحب سے جو آپ کے پاس اُس وقت بیٹھے ہوئے تھے، پوچھا کہ:- اِس گذرنے والے شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے اور کیا اندازہ ہے؟- انھوں نے عرض کیا، کہ: حضرت! یہ بہت بڑے اور معزز آدمیوں میں سے ہے، یہ ایسی شان والا ہے کہ جس گھرانے کی بیٹی کے لئے نکاح کا پیغام دے تو منظور کر لیا جائے، اور نکاح کر دیا جائے، اور اگر کسی معاملے میں سفارش کر دے تو اس کی سفارش ضرور مانی جائے ——— سہل بن سعد کہتے ہیں، کہ یہ جواب سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، اور آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک اور اللہ کا بندہ گذرا، آپ نے اُن ہی صاحب سے پھر پوچھا، کہ:- اِس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے اور کیا اندازہ ہے؟- انھوں نے عرض کیا:- یا رسول اللہ یہ بیچارہ نادار اور مسکین مسلمانوں میں سے ہے، یہ ایسا ہے کہ اگر کہیں نکاح کا

پیام دے، تو اسکے ساتھ نکاح نہ کیا جائے۔ اور اگر کسی معاملہ میں سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ مانی جائے۔ اور کوئی بات کہنا چاہے تو اس کی بات بھی نہ سُنی جائے ۔ (اُن کا یہ جواب سُن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کہ پہلے والے اُس آدمی کے مثل اگر زمین بھر ہوں، تو یہ ایک اکیلا فقیر و مسکین اُن سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) انسانوں کی عام حالت یہ ہے کہ دنیا کی دولت اور دنیا کی بڑائی ہی کو وہ اصل بڑائی، اور وزن اور قیمت کی چیز سمجھتے ہیں۔ اور اسی سے متاثر ہوتے ہیں، اور اللہ کے جو بندے اُس سے خالی ہوں (اگرچہ اُن کے پاس ایمان اور حُسن عمل کی دولت کتنی ہی وافر ہو) عام طور سے اہلِ دنیا ان کو حقیر و ذلیل ہی سمجھتے ہیں، یہ حدیث دراصل اسی قلبی اور ذہنی بیماری کے علاج کا ایک نسخہ ہے، بہت ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو صاحب اُس وقت بیٹھے ہوئے تھے (جن سے آپ اس گفتگو میں مخاطب رہے) اُن میں بھی اس مرض کے کچھ جراثیم ہوں، اور آپ نے اُن کی اصلاح کیلئے ہی یہ گفتگو فرمائی ہو۔

شارحین نے بھی لکھا ہے، اور حدیث کے ظاہر الفاظ سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ دونوں گذرنے والے مسلمان ہی تھے، البتہ پہلے جو گذرے وہ دنیا کی دولت و وجاہت میں برتر تھے، اور دین کے لحاظ سے کمتر، اور بعد میں جو صاحب گذرے وہ دنیا کے لحاظ سے تو کمتر تھے، مگر دین اور تعلق باللہ میں برتر اور بلند تر ——— اسی فرق کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:۔ پہلے جیسے اگر اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ اللہ کی وسیع زمین ان سے بھر جائے، تو بھی بعد میں گذرنے والا اللہ کا غریب و مسکین یہ ایک بندہ ان سب سے بہتر ہے ——— اللہ اکبر! دین، اور تعلق باللہ کی عظمت و رفعت کا کیا ٹھکانا!۔

(۸۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ ——— رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:۔ بہت سے پراگندہ بالوں والے گرد و غبار میں اٹے ہوئے جن کو دروازوں پر دھکے دیئے جائیں (اللہ کے نزدیک اُن کا مقام یہ ہوتا ہے کہ) اگر اللہ پر وہ قسم کھا جائیں، تو اُن کی قسم کو اللہ ضرور پورا کرے۔

(مسلم)

(تشریح) اِس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ کسی کو میلا کچیلا، خستہ حال، اور پراگندہ بال دیکھ کر حقیر نہ سمجھنا چاہئے، ایسوں میں اللہ کے بعض بندے وہ بھی ہوتے ہیں جو اللہ کے لئے اپنے کو مٹا کر اُسکے یہاں ایسا تقرب اور محبوبیت و مقبولیت کا وہ مقام حاصل کر لیتے ہیں، کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر وہ کسی معاملہ میں قسم کھا جائیں، کہ اللہ ایسا ہی کرے گا، یا ایسا نہیں کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کی لاج رکھتا ہے، اور ویسا ہی کر دیتا ہے۔

واضح رہے کہ حدیث کا مقصد و منشا پراگندہ بالی اور گرد آلودگی اور میلا کچیلا رہنے کی ترغیب دینا نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے) حدیث و سیر کی متواتر شہادت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام طور سے صاف ستھرا رہنا پسند فرماتے تھے، اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، بلکہ بعض لوگوں کو جب آپ نے اِس حال میں دیکھا، کہ اس بارہ میں وہ تفریط اور غلو میں مبتلا ہو گئے ہیں، اور انھوں نے اپنا حلیہ بگاڑ رکھا ہے، تو آپ نے اُن کو اپنی اِس حالت کے درست کرنے کا حکم دیا۔

پس یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ اِس حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہے، کہ لوگ

پراگندہ بال، میلے کچیلے اور گرد و غبار میں اٹے ہوئے رہا کریں، بلکہ جیسا کہ عرض کیا گیا حدیث کا مقصد و منشا اور اس کی روح یہی ہے، کہ اللہ کے کسی بندہ کو خستہ حال اور گرد آلود دیکھ کر اس کو حقیر اور اپنے سے کمتر نہ سمجھا جائے، کیونکہ بہت سے اس حال میں رہنے والے بھی خاصانِ خدا میں سے ہوتے ہیں ——— پس اس حدیث میں دراصل اُن لوگوں کے خیال اور حال کی اصلاح کی گئی ہے جو اللہ کے غریب و خستہ حال بندوں کو ناکارہ و نکما سمجھتے ہیں، اور اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور اپنے ذہنی تکبر کی وجہ سے ان کے ساتھ ملنے جلنے اور اُن کے پاس بیٹھنے سے بچتے ہیں، اور اسی میں اپنی بڑائی کی حفاظت سمجھتے ہیں۔

بہت سے غریب اور خستہ حال ایسے ہیں کہ اُنکی برکت اور دعا سے رزق ملتا ہے:۔

(۷۹) عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَأَى سَعْدٌ اَنَّ لَهٗ فَضْلًا عَلٰى مَنْ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ ———

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ میرے والد سعد کو (اللہ تعالیٰ نے جو خاص صلاحیتیں بخشی تھیں، مثلاً شجاعت، سخاوت، فہم و فراست، وغیرہ، ان کی وجہ سے ان کا) کچھ خیال تھا کہ جو (غریب اور کمزور قسم کے مسلمان ان چیزوں میں) ان سے کمتر ہیں، وہ اُن کے مقابلہ میں فضیلت اور برتری رکھتے ہیں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اُنکے اس خیال اور حال کی اصلاح کیلئے) فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم لوگوں کی جو مدد ہوتی ہے اور تم کو جو نعمتیں ملتی ہیں، وہ (تمہاری صلاحیتوں اور

قابلیتوں کی بنیاد پر نہیں ملتیں، بلکہ تم میں جو بیچارے کمزور اور خستہ حال ہیں، اُن کی برکت اور ان کی دعاؤں سے ملتی ہیں۔ (بخاری)

(تشریح) حضرت سعدؓ کا جو خیال تھا، چونکہ اس کی بنیاد ایک قسم کے کبر پر تھی اسلئے اس کی اصلاح اور اس کے علاج کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بتلایا کہ تم جن مسکینوں کو اپنے سے کمتر اور اپنے کو اُن سے برتر سمجھتے ہو، اللہ تعالیٰ ان ہی کے طفیل میں، اور ان ہی کی دعاؤں سے تم کو وہ سب کچھ دیتا ہے جس سے تم یہاں بڑے بنے ہوئے ہو آج بھی ہم جیسے لکھے پڑھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے کچھ صلاحیتیں دے رکھی ہیں، اور دین کی کسی خدمت کی توفیق مل رہی ہے، عموماً اسی قسم کے کبر میں مبتلا ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا

(ف) اسی حدیث کی نسائی کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اس طرح ہیں: "اِنَّمَا یَنْصُرُ اللّٰہُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ بِضَعِیْفِھِمْ بِدَعْوَتِھِمْ وَصَلٰوتِھِمْ وَاِخْلَاصِھِمْ" ــــــــ ظاہر ہے کہ اس روایت کے الفاظ اداء مطلب میں صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ سے زیادہ واضح ہیں۔

اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھ کر صبر و شکر کا سبق لیا کرو۔

(۸۰) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا نَظَرَ اَحَدُکُمْ اِلٰی مَنْ فُضِّلَ عَلَیْہِ فِی الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی مَنْ ھُوَ اَسْفَلَ مِنْہُ ــــــــ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو مال و دولت اور جسمانی بناوٹ، یعنی شکل و صورت میں اس سے بڑھا ہوا ہو (اور اس کی وجہ سے اسکے دل میں حرص و طمع اور شکایت پیدا ہو) تو اس کو چاہئے کہ کسی ایسے بندہ کو دیکھے، جو ان چیزوں میں اس سے بھی کمتر ہو (تاکہ بجائے حرص و طمع اور

... طلبہ کی دعاؤں اور نمازوں اور ان کے اخلاص ہی کی وجہ سے کرتا ہے۔

شکایت کے صبر و شکر پیدا ہو) (بخاری و مسلم)

(تشریح) انسان کی یہ ایک فطری کمزوری ہے، کہ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جو مال و دولت اور دنیوی وجاہت یا شکل و صورت میں اس سے بہتر حال میں ہو، تو اس میں اس کی طمع اور حرص پیدا ہوتی ہے، اور خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسا نہیں بنایا، اس حدیث میں اس کا علاج یہ بتلایا گیا ہے، کہ وہ شخص اللہ کے ایسے بندوں کو دیکھے، اور اُن کے حال پر غور کرے، جو مال و دولت، شکل و صورت، اور عزت و وجاہت کے لحاظ سے اس سے بھی کمتر اور پسماندہ ہوں، انشاء اللہ ایسا کرنے سے اس بیماری کا علاج ہو جائے گا۔

(۸۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا، مَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ اِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَاقْتَدٰى بِهٖ وَنَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ اِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلٰى مَا فَضَّلَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ اِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ وَنَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ اِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَاَسِفَ عَلٰى مَا فَاتَهٗ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا ——— رواہ الترمذی

(ترجمہ) عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ: جس شخص میں دو خصلتیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ اس کو شاکرین اور صابرین میں لکھیں گے (ان دو خصلتوں کی تفصیل یہ ہے کہ) جس شخص کی یہ عادت ہو، کہ وہ دین کے معاملہ میں تو اللہ کے ان بندوں پر نظر رکھے، جو دین میں اس سے فائق اور بالاتر ہوں، اور ان کی پیروی اختیار کرے، اور

دنیا کے معاملہ میں اُن غریب و مسکین اور خستہ حال بندوں پر نظر رکھے جو دنیوی حیثیت سے اس سے بھی کمتر ہوں، اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اِن بندوں سے زیادہ دنیا کی نعمتیں اس کو دے رکھی ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ صابر و شاکر لکھا جائے گا ـــــ اور جس کا حال یہ ہو کہ وہ دین کے بارے میں تو ہمیشہ اپنے سے ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو دیکھے، اور دنیا کے بارے میں اپنے سے بالاتر لوگوں پر نظر کرے، اور جو دنیاوی نعمتیں اس کو نہیں ملی ہیں، اُن کے نہ ملنے پر افسوس اور رنج کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ شاکر و صابر نہیں لکھا جائے گا۔ (ترمذی)

(تشریح) شکر اور صبر ایمان اور تعلق باللہ کے دو ایسے رُخ ہیں کہ جس بندہ میں یہ دونوں جمع ہو جائیں، تو اس کو گویا ایمان کا کمال نصیب ہو گیا، اور دین کی دولت بھرپور مل گئی ـــــ اور اس کی تدبیر اور اس کا معیار اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ اپنے کو اس بات کا عادی بنائے، کہ دین کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے اُن اچھے بندوں پر نظر رکھا کرے جن کا مقام دین میں (یعنی ایمان و اعمال اور اخلاق میں) اپنے سے بلند تر ہو اور اُن کی پیروی کرتا رہے، اور دنیا کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے اُن خستہ حال اور مبتلائے مصائب بندوں پر نظر رکھے، جو دنیوی لحاظ سے اپنے سے کمتر اور پست تر ہوں، اور اُن کے مقابلے میں دنیوی راحت و عافیت کی جو فضیلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو دی گئی ہے اس کو محض اللہ کا فضل سمجھ کر اپنے اس محسن مالک کا شکر ادا کرتا رہے۔

اگر حُسنِ عمل کی توفیق ہو، تو زندگی بڑی نعمت ہے

(۸۲) عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ قَالَ اَیُّ النَّاسِ

شَرٌّ؟ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَسَاءَ عَمَلُهٗ ـــــــــ رواہ احمد

(ترجمہ) ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کا آدمی آخرت میں زیادہ کامیاب اور فلاح یاب رہے گا) آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ وہ جس کی عمر لمبی ہوئی، اور اسکے اعمال اچھے رہے ـــــــ پھر اسی سائل نے عرض کیا، کہ:۔ آدمیوں میں زیادہ بُرا (اور آخرت میں زیادہ خسارہ میں رہنے والا) کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ جس کی عمر لمبی ہوئی اور اعمال اسکے بُرے رہے۔

(مسند احمد)

(تشریح) ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کی زندگی اعمالِ صالحہ والی زندگی ہوگی تو جتنی طویل عمر اُس کو ملے گی اُسی قدر اُسکے دینی درجات میں ترقی ہوگی، اور اس کے برعکس جس کے اعمال واخلاق اللہ سے دور کرنے والے ہوں گے، اس کی عمر جتنی زیادہ ہوگی اُسی قدر وہ اللہ کی رحمت ورضا سے دور تر ہوتا چلا جائے گا۔

(۸۳) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰخٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ فَقُتِلَ اَحَدُهُمَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتَ الْاٰخَرُ بَعْدَهٗ بِجُمُعَةٍ اَوْ نَحْوِهَا فَصَلَّوْا عَلَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قُلْتُمْ؟ قَالُوْا دَعَوْنَا اللّٰهَ اَنْ يَّغْفِرَ لَهٗ وَيَرْحَمَهٗ وَيُلْحِقَهٗ بِصَاحِبِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَيْنَ صَلٰوتُهٗ بَعْدَ صَلٰوتِهٖ وَعَمَلُهٗ بَعْدَ عَمَلِهٖ اَوْ قَالَ صِيَامُهٗ بَعْدَ صِيَامِهٖ لَمَا بَيْنَهُمَا اَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

(ترجمہ) عبید بن خالدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان مواخات قائم فرمائی (یعنی اس وقت کے دستور کے مطابق ان کو باہم بھائی بھائی بنایا) پھر یہ ہوا کہ ان میں سے ایک صاحب (قریبی ہی زمانہ میں) جہاد میں شہید ہو گئے، پھر ایک ہی ہفتہ بعد یا اس کے قریب دوسرے صاحب کا بھی انتقال ہو گیا (یعنی ان کا انتقال کسی بیماری سے گھر ہی پر ہوا) تو صحابہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھنے والے ان اصحاب سے دریافت کیا، کہ:- آپ لوگوں نے (نماز جنازہ میں) کیا کہا (یعنی مرنے والے بھائی کے حق میں تم نے اللہ سے کیا دعا کی؟) انھوں نے عرض کیا، کہ:- ہم نے اس کے لئے یہ دعا کی، کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے، اس پر رحمت فرمائے، اور (ان کے جو ساتھی شہید ہو کے اللہ کے قرب و رضا کا وہ مقام حاصل کر چکے ہیں، جو شہیدوں کو حاصل ہوتا ہے، اللہ ان کو بھی اپنے فضل و کرم سے اسی مقام پر پہونچا کے) اپنے اس بھائی اور ساتھی کے ساتھ کرے (تاکہ جنت میں اسی طرح ساتھ رہیں جس طرح کہ یہاں رہتے تھے) ـــــ یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:- پھر اس کی وہ نمازیں کہاں گئیں جو اس شہید ہونے والے بھائی کی نمازوں کے بعد (یعنی شہادت کی وجہ سے ان کی نمازوں کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد) انھوں نے پڑھیں، اور دوسرے وہ اعمالِ خیر کہاں گئے، جو اس شہید کے اعمال کے بعد انھوں نے کئے، یا آپ نے یوں فرمایا، کہ اس کے وہ روزے کہاں گئے، جو اس بھائی کے روزوں کے بعد انھوں نے رکھے ـــــ (راوی کو شک ہے کہ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعمال کا ذکر کیا تھا، یا روزوں کا ذکر فرمایا تھا)

اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ:۔ ان دونوں کے مقامات میں تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہے، جتنا کہ زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے بعد میں مرنے والے اس بھائی کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اس بھائی سے کمتر سمجھا، اسی واسطے تم نے اللہ سے یہ دعا کی، کہ اللہ اپنے فضل و کرم سے اس کو بھی اس شہید بھائی کے ساتھ کرے حالانکہ بعد میں مرنے والے بھائی نے شہید ہونے والے بھائی کی شہادت کے بعد بھی جو نمازیں پڑھیں، اور جو روزے رکھے، اور جو دوسرے اعمالِ خیر کئے، تمھیں معلوم نہیں کہ ان کی وجہ سے اس کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اس بھائی سے بہت زیادہ بلند ہو چکا ہے، یہاں تک کہ دونوں کے مقامات اور درجات میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق اور فاصلہ ہے۔

راہِ خدا میں جان دینا بلاشبہ بہت اونچا عمل ہے، اور اس کی بڑی فضیلتیں ہیں، لیکن نماز، روزہ وغیرہ اعمالِ خیر اگر اخلاص اور احسانی کیفیت کے ساتھ نصیب ہوں، تو ان کے ذریعہ جو ترقی اور بلندی نصیب ہوتی ہے، اس کی بھی کوئی حد نہیں ہے ——— نیز جو نکہ بعد میں مرنے والے یہ بھائی بھی راہِ خدا کے سپاہی، اور جہاد کے لئے ہر وقت کمربستہ رہنے والوں میں سے تھے، اسلئے بستر پر موت آنے کے باوجود وہ اپنی نیت اور شوقِ شہادت کی وجہ سے مقامِ شہادت پر بھی فائز ہوئے، اور بعد کے نماز، روزہ وغیرہ اعمالِ خیر نے اُن کے درجہ کو اس قدر بلند کر دیا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے درجوں میں زمین اور آسمان سے زیادہ فاصلہ بتلایا

(۸۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ اَنَّ نَفَرًا مِنْ بَنِیْ عُذْرَةَ ثَلٰثَةً اَتَوُا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمُوْا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّکْفِیْهِمْ قَالَ طَلْحَةُ اَنَا، فَکَانُوْا

عِنْدَهٗ فَبَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِيْهِ اَحَدُهُمْ فَاسْتُشْهِدَ ثُمَّ بَعَثَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِيْهِ الْاٰخَرُ فَاسْتُشْهِدَ ثُمَّ مَاتَ الثَّالِثُ عَلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ قَالَ طَلْحَةُ فَرَاَيْتُ هٰؤُلَاءِ الثَّلٰثَةَ فِي الْجَنَّةِ وَرَاَيْتُ الْمَيِّتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ اَمَامَهُمْ وَالَّذِيْ اسْتُشْهِدَ اٰخِرًا يَلِيْهِ وَاَوَّلُهُمْ يَلِيْهِ فَدَخَلَنِيْ مِنْ ذٰلِكَ فَذَكَرْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ فَقَالَ وَمَا اَنْكَرْتَ مِنْ ذٰلِكَ؟ لَيْسَ اَحَدٌ اَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ مُؤْمِنٍ يُعَمَّرُ فِي الْاِسْلَامِ لِتَسْبِيْحِهٖ وَتَكْبِيْرِهٖ وَتَهْلِيْلِهٖ ——— رواہ احمد

(ترجمہ) عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ قبیلۂ بنی عُذرہ میں سے تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام لائے (اور حضورؐ کی خدمت میں قیام کا ارادہ کیا) تو آپ نے (صحابۂ کرام سے) فرمایا، کہ:- ان نومسلم مسافروں کی خبرگیری میری طرف سے کون اپنے ذمہ لے سکتا ہے؟ طلحہ نے عرض کیا، کہ:- میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ چنانچہ یہ تینوں اُن کے پاس رہنے لگے، اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کسی جگہ کے لئے روانہ فرمایا، تو ان تینوں صاحبوں میں سے ایک اُس لشکر میں چلے گئے، اور وہاں شہید ہوگئے، پھر آپ نے ایک اور لشکر روانہ فرمایا، تو ایک دوسرے ساتھی اُس میں چلے گئے، اور وہ بھی جاکر شہید ہوگئے۔ پھر (کچھ دنوں بعد) ان میں سے تیسرے، جو باقی بچے تھے اُن کا انتقال بستر ہی پر ہوگیا ——— (حدیث کے راوی عبداللہ بن شداد) کہتے ہیں، کہ طلحہ نے ذکر کیا، کہ میں نے خواب میں اُن تینوں ساتھیوں کو جنت میں دیکھا، اور یہ دیکھا کہ جو صاحب سب سے آخر میں اپنے بستر پر طبعی موت سے مرے، وہ سب سے

آگے ہیں، اور ان کے قریب اُن کے وہ ساتھی ہیں جو دوسرے نمبر پر شہید ہوئے تھے، اور اُن کے قریب اُن کے وہ ساتھی ہیں، جو پہلے شہید ہوئے تھے اس خواب سے میرے دل میں شبہ اور غلجان پیدا ہوا (کیونکہ میرا خیال تھا کہ شہید ہونے والے ان دو ساتھیوں کا درجہ اِس تیسرے ساتھی سے بلند ہوگا جس کا انتقال بستر پر طبعی موت سے ہوا) پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس خواب اور اپنے اس تاثر اور غلجان کا ذکر کیا، آپ نے ارشاد فرمایا، کہ:۔ اس میں تم کو کیا بات اوپری اور غلط معلوم ہوتی ہے، (تم نے ان کے درجات کی جو ترتیب دیکھی ہے وہی ہونا چاہئے، اور جو تیسرا ساتھی اپنے دو ساتھیوں کی شہادت کے بعد بھی کچھ عرصہ زندہ رہا، اور نمازیں پڑھتا رہا، اور اللہ کا ذکر کرتا رہا، اسی کو سب سے آگے اور بلند تر ہونا چاہئے، کیونکہ) اللہ کے نزدیک اس مومن سے کوئی افضل نہیں، جس کو ایمان اور اسلام کے ساتھ عمر دراز ملے، جس میں وہ اللہ کی تسبیح (سبحان اللہ کا ذکر) تکبیر (اللہ اکبر کا ذکر) اور تہلیل (لا الٰہ الا اللہ کا ذکر) کرے۔

(تشریح) اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اسی سے اس حدیث کی بھی تشریح ہو جاتی ہے ـــــ اللہ تعالیٰ اگر سمجھ دے، تو ان دونوں حدیثوں میں اُن جذباتی اور باتونی لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے، جو جہاد اور شہادت کی صرف باتوں اور جھوٹی تمناؤں میں اپنا وقت گزارتے ہیں، حالانکہ جہاد و شہادت کا کوئی میدان اُن کے سامنے نہیں ہوتا، اور نماز، روزہ، ذکر و تلاوت وغیرہ اعمالِ خیر کے ذریعہ اعلیٰ سے اعلیٰ دینی ترقیوں کا جو موقع اللہ کی طرف سے ان کو ہر وقت ملا ہوا ہے، وہ اس کی قدر نہیں کرتے، اور ان چیزوں کو معمولی اور ادنیٰ درجہ کی چیزیں سمجھ کر ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے، بلکہ بعض اوقات تو ان اعمالِ خیر کو طنز کا نشانہ بنا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

جامع اور اہم نصیحتیں اور وصیتیں

(۸۵) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ تَمْحُھَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ ——— رواہ احمد والترمذی والدارمی۔

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ: تم جہاں اور جس حال میں ہو (خلوت میں ہو یا جلوت میں، آرام میں ہو یا تکلیف میں) خدا سے ڈرتے رہو (اور تقویٰ تمہارا شعار رہے) اور ہر برائی کے پیچھے نیکی کرو، وہ اس کو مٹا دے گی، اور اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، دارمی)

(تشریح) تقویٰ کی اصل خدا کا خوف اور اسکے مواخذہ اور محاسبہ کی فکر ہے، اور یہ ایک باطنی کیفیت ہے، اور اس کا ظہور ظاہری زندگی میں اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکام کی اطاعت کی جائے، اور منہیات اور معاصی سے بچا جائے ——— لیکن انسان کی سرشت اور اس دنیا میں اس کا ماحول ایسا ہے کہ اس خوف و فکر (یعنی تقویٰ) کے باوجود اس سے غلطیاں اور خطائیں سرزد ہو جاتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے تدارک کیلئے ارشاد فرمایا، کہ جب کوئی غلطی اور برائی ہو جائے تو اسکے بعد کوئی نیکی ضرور کرو، نیکی کا نور اس برائی کی ظلمت کو ختم کر دے گا اور مٹا دے گا۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: "اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ"۔

(نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں) ـــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری نصیحت اس حدیث میں حضرت ابوذرؓ کو یہ فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ تمہارا برتاؤ حُسنِ اخلاق کا ہو ـــــــ معلوم ہوا کہ تقویٰ اور تکثیرِ حسنات کے ذریعہ گناہوں کی تطہیر کے بعد بھی کامیابی اور رضاءِ الٰہی حاصل ہونے کیلئے بندوں کے ساتھ حُسنِ اخلاق کا برتاؤ بھی ضروری ہے۔

(۸۶) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِظْنِیْ وَاَوْجِزْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِکَ فَصَلِّ صَلٰوۃَ مُوَدِّعٍ وَلَا تُکَلِّمْ بِکَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْہُ غَدًا وَاَجْمِعِ الْاِیَاسَ مِمَّا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ ـــــــ رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت ابوایوب انصاری سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمائیے، اور مختصر فرمائیے (تاکہ یاد رکھنا آسان ہو) آپ نے ارشاد فرمایا کہ (ایک بات تو یہ یاد رکھو کہ) جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو، تو اُس شخص کی سی نماز پڑھو جو سب کو الوداع کہنے والا، اور سب سے رخصت ہونے والا ہو (یعنی دنیا سے جانے والے آدمی کی نماز جیسی ہونی چاہئے تم ہر نماز ویسی پڑھنے کی کوشش کرو، اور دوسری بات یہ یاد رکھو کہ) ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالو جس کی کل تم کو معذرت اور جواب دہی کرنی پڑے (یعنی بات کرتے وقت ہمیشہ اس کا خیال رکھو کہ ایسی بات منہ سے نہ نکلے جسکی جواب دہی کسی کے سامنے اس دنیا میں یا قیامت کے دن خدا کے حضور میں کرنی پڑے، اور تیسری بات یہ یاد رکھو کہ) آدمیوں کے پاس اور ان کے ہاتھ میں جو کچھ نظر آتا ہے اس سے اپنے کو قطعاً مایوس کر لو (یعنی تمہاری اُمیدوں اور توجہ کا مرکز صرف ربّ العالمین ہو، اور مخلوق کی طرف سے اپنی اُمیدوں کو بالکل منقطع کر لو)۔

(مسند احمد)

(۸۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ مُنْجِیَاتٌ وَثَلٰثٌ مُهْلِكَاتٌ فَاَمَّا الْمُنْجِیَاتُ فَتَقْوَی اللّٰهِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَةِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِی الرِّضَا وَالسَّخَطِ وَالْقَصْدُ فِی الْغِنَا وَالْفَقْرِ وَاَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوًی مُتَّبَعٌ وَشُحٌّ مُطَاعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَهِیَ اَشَدُّهُنَّ ـــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تین چیزیں ہیں جو نجات دلانے والی ہیں، اور تین ہی چیزیں ہیں جو ہلاک کر دینے والی ہیں، پس نجات دلانے والی تین چیزیں تو یہ ہیں:۔ ایک خدا کا خوف خلوت میں اور جلوت میں (یا ظاہر میں اور باطن میں) اور دوسرے، حق بات کہنا، خوشی میں اور غصہ میں، اور تیسرے میانہ روی خوشحالی میں اور تنگدستی میں ـــــ اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں:۔ ایک خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے، اور دوسرے وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے (یعنی اسکے تقاضے پر چلا جائے)۔ اور آدمی کی خود پسندی کی عادت اور یہ ان سب میں زیادہ سخت ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو حاضرین مجلس اور مخاطبین کے خاص حالات کے لحاظ سے، اور کبھی کسی اور ایسے ہی سبب سے بعض اوقات اپنے ارشادات میں بعض خاص اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی اہمیت خصوصیت سے بیان فرماتے تھے، اور اسی طرح بعض خاص خاص برے اعمال و اخلاق کی قباحت و شناعت پر خصوصیت سے زور دیتے تھے (اور معلم اور مربی کا طرز یہی ہونا بھی چاہئے) ـــــ یہ حدیث بھی اسی نوعیت کی ہے، اور حضورؐ کے اس ارشاد کا حاصل صرف یہ ہے کہ جس شخص کو اس کی فکر ہو کہ وہ ہلاکت سے بچے اور نجات حاصل کرے، اسے چاہئے کہ ان چند نصیحتوں کی خصوصیت سے پابندی کرے، ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت میں خدا کا خوف اور تقویٰ اس کا شعار رہے، اور خواہ کسی سے رضامندی ہو یا ناراضی، ہمیشہ حق و انصاف کی بات کہے،

اور وہ خوشحالی و تنگدستی دونوں حالتوں میں میانہ روی برتے ـــــــ اور اپنی نفسانی خواہش اور بخل کے تقاضوں پر نہ چلے، اور خود پسندی کی نہایت مہلک بیماری سے اپنی حفاظت کرتا رہے ـــــــ آپ نے خود پسندی کو سب سے زیادہ شدید غالباً اسلئے فرمایا کہ اس مرض میں مبتلا ہونے والا آدمی اپنے کو کبھی بیمار ہی نہیں سمجھتا، بلکہ اگر کوئی اور نصیحت کرے اور سمجھائے تو وہ اسی کو غلطی پر سمجھتا ہے ـــــــ اور بلاشبہ وہ مرض بڑا سخت اور لاعلاج ہے، جس کو مریض مرض ہی نہ سمجھے۔

(۸۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ اِذَا كُنَّ فِيْكَ فَلَا عَلَيْكَ مَا فَاتَكَ الدُّنْيَا حِفْظُ اَمَانَةٍ وَصِدْقُ حَدِيْثٍ وَحُسْنُ خَلِيْقَةٍ وَعِفَّةٌ فِيْ مَطْعَمَةٍ ـــــــ

(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ چار باتیں اور چار خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم کو نصیب ہو جائیں، تو پھر دنیا (اور اس کی نعمتوں) کے فوت ہو جانے اور ہاتھ نہ آنے میں کوئی مضائقہ اور کوئی گھاٹا نہیں۔ امانت کی حفاظت، باتوں میں سچائی، حسن اخلاق، اور کھانے میں احتیاط اور پرہیزگاری۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) آگے امانت کے بیان میں انشاء اللہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ نبوت کی زبان اور دین کی اصطلاح میں امانت بہت وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے، اللہ کے اور اسی طرح بندوں کے ہر حق کی ادائیگی اور ہر عہد کی پابندی امانت کے وسیع مفہوم میں داخل ہے، پس ظاہر ہے کہ جس شخص میں امانت کی صفت ہو یعنی جس کا یہ حال ہو کہ وہ اللہ کے اور اسکے بندوں کے حقوق کی ادائیگی پوری دیانت داری کے ساتھ کرتا ہو، اور اسی کے ساتھ اس کی زبان صداقت اور سچائی کی پابند ہو، اور حسن اخلاق کی دولت بھی اس کو حاصل ہو، اور کھانے پینے کے معاملہ میں بھی محتاط اور پرہیزگار ہو، یعنی صرف حلال کھاتا ہو، اور اتنا ہی کھاتا ہو جتنا اس کو کھانا چاہئے، اور حرام اور

مشتبہ سے پرہیز کرتا ہو، الغرض جس شخص کو یہ چار خصلتیں نصیب ہوں، ظاہر ہے کہ اس کو انسانیت کا کمال نصیب ہے جو اس دنیا کی سب سے بڑی بلندی ہے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں اس کو وہ بے حساب اور بے شمار نعمتیں ملیں گی جن میں سے ایک ایک کی قیمت اس دنیا سے اور اسکی ساری دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ ہوگی، پس ایسا شخص اگر دنیا سے خالی ہاتھ رہے تو اسے کوئی غم اور کوئی افسوس نہ ہونا چاہئے، کیونکہ جو کچھ اسے ملا ہوا ہے دنیا اور اس کی ساری دولتیں اور بہاریں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔

(۸۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَخْلَصَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ لِلْاِیْمَانِ وَجَعَلَ قَلْبَہٗ سَلِیْمًا وَّلِسَانَہٗ صَادِقًا وَّنَفْسَہٗ مُطْمَئِنَّۃً وَّخَلِیْقَتَہٗ مُسْتَقِیْمَۃً وَّجَعَلَ اُذُنَہٗ مُسْتَمِعَۃً وَّعَیْنَہٗ نَاظِرَۃً فَاَمَّا الْاُذُنُ فَمِقْمَعٌ وَاَمَّا الْعَیْنُ فَمُقِرَّۃٌ لِمَا یُوْعِی الْقَلْبُ وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ جَعَلَ قَلْبَہٗ وَاعِیًا ——— رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ وہ شخص کامیاب اور بامراد ہوا جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لئے خالص کر دیا اور اسکے قلب کو صحیح و سالم بنا دیا (یعنی جس کے دل کو ایسا صاف ایمان و یقین نصیب فرمایا جس میں شک یا نفاق کی کوئی آمیزش اور کوئی گنجائش نہیں، اور حسد و کینہ جیسے باطنی امراض سے بھی اسکے دل کو پاک کر کے سلیم بنایا) اور اس کی زبان کو سچائی اور اسکے نفس کو اطمینان عطا فرمایا (یعنی اسکے نفس کو ایسا کر دیا کہ اللہ کی یاد سے اور اس کی مرضیات سے اس کو چین و اطمینان ملتا ہے) اور اس کی طبیعت کو سیدھا اور درست کر دیا (کہ وہ برائی کی طرف نہیں چلتی) اور اسکے کان کو سننے والا اور آنکھ کو دیکھنے والا بنا دیا (کہ وہ حق باتوں کو اور اللہ کی نشانیوں کو سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہیں) پس

کان تو مثل قیف کے ہے (کہ باتیں اسکے راستے سے دل میں اس طرح جاتی ہیں جس طرح بوتل یا شیشی میں کوئی چیز قیف کے ذریعہ جاتی ہے) اور آنکھ پہونچانے والی، اور ٹھہرانے والی ہے اُن چیزوں کو جو وہ قلب کو سونپتی ہے، اور بامراد اور کامیاب ہوا وہ شخص جس کے دل کو بنا دیا اللہ نے یاد رکھنے والا۔

(مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حدیث کے آخر حصہ میں کان اور آنکھ کے متعلق جو بات فرمائی گئی ہے:۔ "فاما الاذن فقمع الخ" جس کے ترجمہ پر اتیان کے لئے خط لگا دیا گیا ہے اس سے وجود انسانی میں کان اور آنکھ کی یہ امتیازی اہمیت ظاہر کرنا مقصود ہے، کہ دل جو انسانی اعضاء میں گویا بادشاہ اور فرمانروا کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں جو چیزیں پہونچتی ہیں اور اس کو متاثر کرتی ہیں وہ عموماً کان اور آنکھ ہی کے ذریعہ پہونچتی ہیں، اسلئے انسان کی فلاح و سعادت اس پر موقوف ہے کہ اللہ اسکے کان کو شنوا، اور اس کی آنکھوں کو بینا بنا دے ——— اور سب سے آخر میں فرمایا کہ "فلاح یاب اور بامراد ہوا وہ انسان جس کے دل کو اللہ نے یاد رکھنے والا بنا دیا" ——— مطلب یہ ہے کہ فلاح و سعادت تک پہونچانے والی جو باتیں کان یا آنکھ کے ذریعہ دل میں پہونچیں اُن سے بھی منزل سعادت تک جب ہی پہونچا جا سکتا ہے جبکہ دل ان کو محفوظ رکھے اور ان سے برابر کام لیتا رہے، اسلئے انسان کی سعادت اور خوش بختی کی آخری اور سب سے اہم شرط یہ ہے کہ قلب اپنا فریضہ اور وظیفہ ٹھیک ٹھیک انجام دیتا رہے۔

قرآن مجید میں بھی جا بجا انسان کی ان تینوں قوتوں (سمع، بصر، قلب) کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے، کہ گویا انسان کی ہدایت اور نجات کا دارومدار انہی تینوں کی سلامتی اور راست روی پر ہے۔

(۹۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنِ الْاَوْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهٗ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ

قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ ـــــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) عمرو بن میمون اودی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔ پانچ حالتوں کو دوسری پانچ حالتوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو، اور ان سے جو فائدہ اُٹھانا چاہئے، وہ اُٹھالو ـــــ غنیمت[1] جانو جوانی کو بڑھاپے کے آنے سے پہلے، اور غنیمت[2] جانو تندرستی کو بیمار ہونے سے پہلے، اور غنیمت[3] جانو خوش حالی اور فراخ دستی کو ناداری اور تنگدستی سے پہلے، اور غنیمت[4] جانو فرصت اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے، اور غنیمت[5] جانو زندگی کو موت آنے سے پہلے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ انسان کے حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، اسلئے اُس کو چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ اُسے کچھ عمل کرنے کے قابل اچھی اور اطمینان کی حالت نصیب فرمائے، تو اس کو غنیمت، اور پروردگار کی طرف سے ملی ہوئی نعمت سمجھے، اور اللہ کی رضا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کرسکتا ہو اُس وقت کرلے، کیا خبر ہے کہ آئندہ کرسکنے کے قابل رہے گا، یا نہیں ـــــ اگر جوانی کی قوت ملی ہوئی ہے تو بڑھاپے کی کمزوریوں اور معذوریوں کے آنے سے پہلے اس سے فائدہ اُٹھالے، اگر تندرست و توانا ہے تو بیماری کی مجبوریوں سے پہلے اس سے کام لے لے، اگر خوش حالی اور مالی وسعت اللہ نے نصیب فرمائی ہے تو افلاس اور محتاجی آنے سے پہلے اس سے فائدہ حاصل کرلے، اور اگر کچھ فرصت ملی ہوئی ہے تو مشغولیت اور پریشاں حالی کے دن آنے سے پہلے اس کی قدر کرلے اور کام لے لے، اور زندگی کے بعد بہرحال موت ہے جو ہر قسم کے اعمال کا خاتمہ کردینے والی ہے، اور اسکے ساتھ توبہ و استغفار کا دروازہ بھی بند ہوجاتا ہے، اسلئے زندگی کے ہر لمحہ کو غنیمت اور خداداد فرصت سمجھے، اور اس سے فائدہ اُٹھانے میں غفلت نہ کرے۔

(۹۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا

يَنْتَظِرُ أَحَدُكُمْ إِلَّا غِنًى مُطْغِيًا أَوْ فَقْرًا مُنْسِيًا أَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا أَوْ هَرَمًا مُفَنِّدًا أَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا أَوِ الدَّجَّالَ وَالدَّجَّالُ شَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ أَوِ السَّاعَةَ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ ــــــــ

(رواہ الترمذی والنسائی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم عمل کیلئے انتظار کرتے ہو اُس خوشحالی اور دولت مندی کا جو آدمی کو سرکش کر دیتی ہے، یا انتظار کرتے ہو اُس ناداری اور محتاجی کا جو سب کچھ بھلا دیتی ہے، یا انتظار کرتے ہو حالت بگاڑ دینے والی بیماری کا، یا عقل و حواس کھو دینے والے بڑھاپے کا، یا اچانک آنے والی اور فنا کر دینے والی موت کا، یا تم منتظر ہو دجال کے ــــــ اور دجال بدترین غائب ہے، جس کا انتظار ہے، یا منتظر ہو قیامت کے، اور قیامت بڑا سخت حادثہ اور بڑا کڑوا گھونٹ ہے۔ (جامع ترمذی و سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو لوگ فرصت اور فراغت کو غنیمت نہیں سمجھتے، اور اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے اور رضاء الٰہی اور فلاحِ اُخروی کے لئے عملی جد و جہد سے غافل رہ کر بڑی آسانی میں اپنا وقت گذار رہے ہیں، گویا وہ اِسکے منتظر ہیں کہ مذکورہ بالا بلاؤں اور آفتوں میں سے جب کوئی بلا اور آفت اُن پر آئے گی، جب وہ جاگیں گے، اور اُسوقت آخرت کی فکر اور تیاری کرینگے۔

(۹۲) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا أَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا أَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ ــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ قیامت کے دن (جب حساب کے لئے بارگاہِ خداوندی میں پیشی ہوگی، تو) آدمی کے پاؤں سرک نہ سکیں گے جبتک کہ اُس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کرلیا جائے گا ــــــ ایک اُس کی پوری زندگی اور عمر کے بارے میں، کہ کن کاموں میں اس کو ختم کیا ــــــ اور دوسرا خصوصیت سے اُس کی جوانی (اور جوانی کی قوتوں) کے بارے میں، کہ کن مشاغل میں جوانی اور اس کی قوتوں کو بوسیدہ اور پرانا کیا، اور تیسرا اور چوتھا مال و دولت کے بارے میں، کہ کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے اس کو حاصل کیا تھا، اور کن کاموں اور کن راہوں میں اس کو صرف کیا، اور پانچواں سوال یہ ہوگا، کہ جو کچھ معلوم تھا اُسکے بارے میں کیا عمل کیا؟۔ (جامع ترمذی)

(ف) ہر شخص اپنی زندگی، اپنی جوانی، اپنے آمد و خرچ، اور اپنے علم و عمل کا دنیا ہی میں محاسبہ کرے، اور ذرا سوچے، کہ دربارِ خداوندی میں کھڑا کرکے جب مجھ سے سرِ محشر یہ سوالات کئے جائیں گے، تو میرا حال اور انجام کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے کرم سے آسان فرمائے، ورنہ امتحان اپنی نوعیت کے لحاظ سے یقیناً بڑا سخت ہے، اور صرف وہی خوش نصیب بندے اُس دن رسوائی سے بچ سکیں گے جو اُس گھڑی کے آنے اور اس امتحان گاہ میں پہونچنے سے پہلے اسی دنیا میں تیاری کرلیں، اور زندگی اس طرح گذاریں کہ اس محاسبہ اور اس امتحان میں کامیاب اور سرخرو ہوسکیں۔

(۹۳) عَنْ اَبِیْ جُرَیٍّ جَابِرِ بْنِ سُلَیْمٍ قَالَ اَتَیْتُ الْمَدِیْنَةَ فَرَاَیْتُ رَجُلًا یَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَاْیِهٖ لَا یَقُوْلُ شَیْئًا اِلَّا صَدَرُوْا عَنْهُ قُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ قُلْتُ عَلَیْكَ السَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَّتَیْنِ قَالَ لَا تَقُلْ عَلَیْكَ السَّلَامُ عَلَیْكَ السَّلَامُ تَحِیَّةُ الْمَیِّتِ قُلِ السَّلَامُ

عَلَيْكَ قُلْتُ أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ فَقَالَ أَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِيْ
إِنْ أَصَابَكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهُ كَشَفَهُ عَنْكَ وَإِنْ أَصَابَكَ عَامُ
سَنَةٍ فَدَعَوْتَهُ أَنْبَتَهَا لَكَ وَإِذَا كُنْتَ بِأَرْضٍ قَفْرٍ وَفَلَاةٍ
فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهُ رَدَّهَا عَلَيْكَ قُلْتُ اِعْهَدْ إِلَيَّ
قَالَ لَا تَسُبَّنَّ أَحَدًا قَالَ فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهُ حُرًّا وَلَا عَبْدًا
وَلَا بَعِيْرًا وَلَا شَاةً قَالَ وَلَا تَحْقِرَنَّ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوْفِ
وَأَنْ تُكَلِّمَ أَخَاكَ وَأَنْتَ مُنْبَسِطٌ إِلَيْهِ وَجْهُكَ إِنَّ ذَالِكَ
مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَارْفَعْ إِزَارَكَ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ فَإِنْ
أَبَيْتَ فَإِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الْإِزَارِ فَإِنَّهَا
مِنَ الْمَخِيْلَةِ وَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيْلَةَ وَإِنِ امْرُؤٌ
شَتَمَكَ وَعَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيْكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ
فَإِنَّمَا وَبَالُ ذَالِكَ عَلَيْهِ ——— رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) ابوجُرَی جابر بن سُلیم سے روایت ہے کہ میں مدینہ پہونچا (اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اُس وقت کچھ جانتا نہیں تھا) میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اُسکے پاس طالب بن کر حاضر ہوتے ہیں اور وہ اُن کو جو کچھ بتا دیتا ہے اُس کو قبول کر کے چلے جاتے ہیں، جو کچھ بھی اس کی زبان سے نکلتا ہے لوگ اُس کو دل و جان سے مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ لوگوں نے مجھے بتایا، کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا "عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!" یہ میں نے دو دفعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا: "عَلَيْكَ السَّلَامُ" نہ کہو، یہ مُردوں کا سلام ہے۔ (یعنی اہل جاہلیت اس طرح مُردوں کو سلام کیا کرتے تھے، بجائے اس کے)

"السلام علیک" کہو۔ میں نے عرض کیا:۔ آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا:۔ ہاں! میں رسول ہوں اُس اللہ کا جس کی شان یہ ہے کہ اگر تمھیں کوئی دُکھ اُور تکلیف ہو، اُور تم اُس سے دُعا کرو، تو وہ تمھارے دُکھ کو دُور کر دے، اُور اگر تم پر قحط سالی کی مصیبت آجائے اُور تم اُس سے دعا کرو تو تمھارے لئے وہ زمین سے پیداوار پیدا کر دے، اُور جب تم کسی جنگل بیابان میں اُور لق و دق میدان میں ہو، اُور تمھاری سواری کا جانور وہاں گم ہو جائے، اُور تم اُس سے دعا کرو، تو وہ تمھاری سواری کے اُس جانور کو تمھارے پاس پہونچا دے ——— (حدیث کے راوی جابر بن سُلیم کہتے ہیں کہ) میں نے آپ سے عرض کیا کہ:۔ مجھے کچھ نصیحت اُور وصیت فرمائیے! ——— آپ نے ارشاد فرمایا:۔ (تمھیں میری پہلی نصیحت یہ ہے کہ) تم کبھی کسی کو گالی نہ دینا، جابر بن سلیم کہتے ہیں اسکے بعد سے میں نے کسی کو بھی گالی نہ دی، نہ کسی آزاد کو نہ غلام کو، نہ اونٹ بکری جیسے کسی جانور کو (اسکے بعد سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مجھے حضورؐ نے یہ نصیحتیں بھی فرمائیں) کسی احسان کو تم حقیر نہ سمجھو، اُور تم اپنے بھائی سے شگفتہ روئی کے ساتھ بات کیا کرو، یہ بھی ایک طرح کا احسان اُور حُسنِ سلوک ہے، اُور اپنا تہبند آدھی پنڈلیوں تک اونچا رکھو، اگر اتنا اونچا رکھنا منظور نہ ہو تو کم سے کم ٹخنوں تک اونچا رکھو، اُور تہبند کو زیادہ نیچے لٹکانے سے پرہیز کرو، کیونکہ یہ تکبر کی بات ہے، اُور اللہ تعالیٰ کو تکبر پسند نہیں ہے، اُور اگر کوئی تمھیں گالی دے اُور تمھاری کسی ایسی بُری بات کا ذکر کرکے تم کو عار دلائے، جو وہ تمھارے بارے میں جانتا ہو، تو تم ایسا نہ کرو، اِس صورت میں اُسکی اِس ساری زیادتی کا پورا وبال اُسی پر ہوگا۔ (سنن ابی داؤد)

(۹۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّاْخُذُ عَنِّیْ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَیَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْ یُعَلِّمُ مَنْ یَّعْمَلُ

بِهِنَّ ؟ قُلْتُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَخَذَ بِيَدِيْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ وَاَحْسِنْ اِلٰى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَلَا تُكْثِرِ الضِّحْكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ ——— رواہ احمد والترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن ہم لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا:۔ کون ہے جو مجھ سے سیکھ لے یہ چند خاص باتیں، پھر وہ خود ان پر عمل کرے یا دوسرے عمل کرنے والوں کو بتائے؟۔ میں نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں ——— تو آپ نے (ازراہِ شفقت) میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیا، اور گن کر یہ پانچ باتیں بتائیں ——— فرمایا:۔ جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں اُن سے بچو، اور اُن سے پورا پورا پرہیز کرو، اگر تم نے ایسا کیا، تو تم بہت بڑے عبادت گذار ہو، (اور یہ عبادت نفلی عبادت کی کثرت سے افضل ہے) ——— دوسری بات آپ نے یہ فرمائی، کہ:۔ اللہ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے اُس پر راضی اور مطمئن ہو جاؤ، اگر ایسا کرو گے تو تم بڑے بے نیاز اور دولتمند ہو جاؤ گے ——— اور تیسری بات یہ کہ:۔ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر ایسا کرو گے، تو تم مومنِ کامل ہو جاؤ گے ——— اور چوتھی بات یہ کہ:۔ جو تم اپنے لئے چاہتے اور پسند کرتے ہو، وہی دوسرے لوگوں کیلئے بھی چاہو اور پسند کرو، اگر تم ایسا کرو گے، تو حقیقی مسلم اور پورے پورے مسلمان ہو جاؤ گے ——— اور پانچویں بات یہ ہے کہ:۔ زیادہ مت ہنسا کرو، کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پانچ باتیں بتانا چاہتے تھے، آپ نے مخاطبین میں خاص طلب پیدا کرنے کے لئے، اور اُن کے دلوں کو پوری طرح بیدار اور متوجہ کرنے کیلئے پہلے ارشاد فرمایا، کہ:- میں اِس وقت کچھ خاص باتیں بتانا اور سکھانا چاہتا ہوں، تم میں سے کون اِن کو سیکھنا چاہتا ہے، لیکن اُس کو ان باتوں کا یہ حق اُدا کرنا ہوگا کہ وہ خود ان پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی بتلائے، تاکہ وہ بھی عمل کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو آدمی دین کی باتیں سیکھے اُس پر دو حق ہیں، ایک یہ کہ خود ان پر عمل کرے، اور دوسرے یہ کہ اوروں کو پہونچائے اور بتلائے، بلکہ اگر خود پورا عمل نہ کرے، تب بھی دوسروں کو بتانے سے دریغ نہ کرے۔

جو پانچ باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر تعلیم فرمائیں، وہ بڑی اہم حقیقتیں ہیں۔ پہلی بات آپ نے یہ ارشاد فرمائی، کہ:- بڑا عبادت گذار بندہ وہ ہے جو محرمات اور ممنوعات سے پرہیز کرتا ہے، اگرچہ زیادہ نفلی نمازیں نہ پڑھتا ہو، نفلی روزے زیادہ نہ رکھتا ہو، ذکر و تسبیح میں بہت زیادہ مشغول نہ رہتا ہو ——— دوسری بات یہ فرمائی، کہ:- اللہ کی طرف سے جو مقسوم اور مقدر ہے اُس پر راضی ہو جانے سے آدمی کو بڑا اطمینان اور بڑی بے فکری نصیب ہو جاتی ہے ——— تیسری بات یہ کہ:- پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کمال ایمان کی شرط ہے ——— چوتھی بات یہ کہ:- کامل مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی دوسروں کا اتنا خیر خواہ اور بہی خواہ ہو، کہ جو اپنے لئے چاہے وہی دوسروں کے لئے چاہے ——— اور پانچویں بات یہ کہ:- زیادہ نہ ہنسا جائے، کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ اور بے حس کر دیتی ہے۔

اگر اللہ کی توفیق سے اُس کا کوئی بندہ آج بھی اِن پانچ باتوں پر کاربند ہو جائے تو دنیا ہی میں وہ جنت کا مزا چکھ لے گا، اس کی زندگی پاک صاف اور بڑے اطمینان والی ہوگی، دور قریب کے لوگ اس سے محبت کریں گے، اس کا دل اللہ کے ذکر سے زندہ اور شاداب ہوگا، اور آخرت میں اللہ کی رضا اور جنت کی جو نعمتیں اُس کو ملیں گی اُن کی قدر و قیمت اور حقیقی لذت تو

بس وہیں جاکر معلوم ہوگی۔

(۹۵) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَمَرَنِیْ خَلِیْلِیْ بِسَبْعٍ، اَمَرَنِیْ بِحُبِّ الْمَسَاکِیْنِ وَالدُّنُوِّ مِنْھُمْ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ ھُوَ دُوْنِیْ وَلَا اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ ھُوَ فَوْقِیْ، وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَصِلَ الرَّحِمَ وَاِنْ اَدْبَرَتْ، وَاَمَرَنِیْ اَنْ لَّا اَسْاَلَ اَحَدًا شَیْئًا وَّاَمَرَنِیْ اَنْ اَقُوْلَ بِالْحَقِّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا، وَّاَمَرَنِیْ اَنْ لَّا اَخَافَ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ، وَاَمَرَنِیْ اَنْ اُکْثِرَ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ فَاِنَّھُنَّ مِنْ کَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ۔

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا کہ مجھے میرے محبوب دوست (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سات باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے ـــــ مجھے آپ نے حکم فرمایا ہے: مساکین اور غرباء سے محبت رکھنے کا، اور اُن سے قریب رہنے کا ـــــ اور آپ نے حکم فرمایا ہے، کہ: دنیا میں اُن لوگوں پر نظر رکھوں جو مجھ سے نیچے درجہ کے ہیں (یعنی جن کے پاس دنیوی زندگی کا سامان مجھ سے بھی کم ہے) اور اُن پر نظر نہ کروں جو مجھ سے اوپر کے درجہ کے ہیں (یعنی جن کو دنیوی زندگی کا سامان مجھ سے زیادہ دیا گیا ہے، اور بعض دوسری احادیث میں ہے کہ ایسا کرنے سے بندہ میں صبر و شکر کی صفت پیدا ہوتی ہے، اور یہ ظاہر بھی ہے) آگے حضرت ابوذر فرماتے ہیں، کہ ـــــ اور مجھے آپ نے حکم دیا ہے، کہ: میں اپنے اہلِ قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کروں، اور قرابتی رشتہ کو جوڑوں (یعنی اُن کے ساتھ وہ معاملہ اور وہ سلوک کرتا رہوں جو اپنے عزیزوں قریبوں کے ساتھ کرنا چاہئے) اگرچہ وہ میرے ساتھ ایسا نہ کریں ـــــ اور آپ نے مجھے حکم دیا ہے، کہ: کسی آدمی سے کوئی چیز نہ مانگوں (یعنی اپنی ہر حاجت کے لئے

اللہ ہی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں، اور اسکے سوا کسی کے در کا سائل نہ بنوں ـــــ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا، کہ: میں ہر موقع پر حق بات کہوں، اگرچہ وہ لوگوں کیلئے کڑوی ہو (اور ان کی خواہشات اور اغراض کے خلاف ہونے کی وجہ سے انہیں بُری لگے) ـــــ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا ہے، کہ: میں اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں (یعنی دنیا والے اگرچہ مجھے بُرا کہیں، لیکن میں وہی کہوں اور وہی کروں جو اللہ کا حکم ہو، اور جس سے اللہ راضی ہو، اور کسی کے بُرا بھلا کہنے کی مطلق پرواہ نہ کروں) ـــــ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا، کہ: میں کلمۂ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ" کثرت سے پڑھا کروں، کیونکہ یہ سب باتیں اُس خزانے سے ہیں جو عرش کے نیچے ہے (یعنی یہ اُس خزانے کے قیمتی جواہرات ہیں، جو عرشِ الٰہی کے نیچے ہے، اور جن کو اللہ ہی جن بندوں کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے کسی اور کی وہاں تک دسترس نہیں)۔ (مسند احمد)

(تشریح) حدیث کی ضروری تشریح ترجمہ ہی کے ضمن میں ہو چکی ہے، یہاں صرف ایک بات یہ قابلِ ذکر ہے، کہ کلمۂ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ" جس کی کثرت کی اس حدیث میں تاکید فرمائی گئی ہے، اس کی تشریح خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں یہ مروی ہے کہ "گناہوں سے بچاؤ، اور نیکی کرنے کی قوت، بس اللہ ہی کی توفیق سے بندہ کو ملتی ہے"۔ یعنی اللہ کا فضل اور اس کی توفیق اگر شاملِ حال نہ ہو، تو بندہ نہ گناہوں سے بچ سکتا ہے، اور نہ نیک اعمال کر سکتا ہے، پس بندہ کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ اللہ سے توفیق اور اس کا فضل مانگتا رہے، اور معصیات سے بچنا، اور نیک اعمال کا کرنا اگر نصیب ہو، تو اس کو اپنا کمال نہ سمجھے، بلکہ اللہ کا فضل و کرم جانے ـــــ واقعہ یہ ہے کہ یہ کلمہ جس حقیقت کو بیان کرتا ہے، اگر اسکے دھیان اور استحضار کے ساتھ کثرت سے اس کا ورد کیا جائے، تو بندہ کی اصلاح کے لئے اکسیر ہے، اور اس میں بڑی تاثیر ہے، مشائخ طریقت میں سے خصوصیت کے ساتھ حضرات شاذلیہ طالبین و سالکین کو اسی کلمہ کی کثرت کی

زیادہ تلقین کرتے ہیں۔

(۹۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِتِسْعٍ خَشْیَةِ اللّٰهِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَةِ، وَکَلِمَةِ الْعَدْلِ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَا، وَالْقَصْدِ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنَا وَاَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِیْ، وَاُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِیْ، وَاَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِیْ، وَاَنْ یَّکُوْنَ صَمْتِیْ فِکْرًا وَنُطْقِیْ ذِکْرًا، وَنَظَرِیْ عِبْرَةً وَّاْمُرَ بِالْعُرْفِ وَقِیْلَ بِالْمَعْرُوْفِ ——— رواہ رزین۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:۔ مجھے میرے پروردگار نے ان نو باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے ——— ایک اللہ سے ڈرنا خلوت میں اور جلوت میں۔ اور عدل وانصاف کی بات کہنا غصہ میں اور رضامندی میں (یعنی ایسا نہ ہو کہ جب کسی سے ناراضی اور اس پر غصہ ہو تو اس کی حق تلفی اور اس کے ساتھ بے انصافی کی جائے، اور جب کسی سے دوستی اور رضامندی ہو تو اس کی بیجا حمایت اور طرفداری کی جائے، بلکہ ہر حال میں عدل وانصاف اور اعتدال کی راہ پر چلا جائے)۔ اور حکم فرمایا میانہ روی پر قائم رہنے کا، غریبی وناداری وفراخدستی ودولت مندی کی دونوں حالتوں میں (یعنی جب اللہ تعالیٰ ناداری اور غریبی میں مبتلا کرے، تو بے صبری اور پریشان حالی کا اظہار نہ ہو، اور جب وہ فراخدستی اور خوشحالی نصیب فرمائے، تو بندہ اپنی حقیقت کو بھول کر غرور اور سرکشی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ الغرض ان دونوں امتحانی حالتوں میں افراط وتفریط سے بچا جائے، اور اپنی روش درمیانی رکھی جائے، یہی وہ میانہ روی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے۔ (آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) اور مجھے حکم فرمایا، کہ

میں ان اہلِ قرابت کے ساتھ بھی رشتہ جوڑوں اور ان کے حقوقِ قرابت اچھی طرح ادا کروں جو مجھ سے رشتۂ قرابت توڑیں اور میرے ساتھ بدسلوکی کریں، اور یہ کہ میں اُن لوگوں کو بھی دوں جنھوں نے مجھے محروم رکھا ہو، اور میرا حق مجھے نہ دیا ہو، اور یہ کہ میں ان لوگوں کو معاف کردوں جنھوں نے مجھ پر ظلم کیا ہو اور مجھے ستایا ہو، اور مجھے حکم دیا ہے کہ میری خاموشی میں تفکر ہو (یعنی جس وقت میں خاموش ہوں تو اُس وقت سوچنے کی چیزیں سوچوں، اور جو چیزیں قابلِ تفکر ہیں اُن میں غور و تفکر کروں، مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی آیات، اور مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیا ہے اور اس کا مجھے کیا حکم ہے، اور میرا معاملہ اللہ کے ساتھ اور اسکے احکام کے ساتھ کیا ہے اور کیا ہونا چاہیئے، اور میرا انجام کیا ہونے والا ہے اور مثلاً یہ کہ اللہ کے غافل بندوں کو کس طرح اللہ سے جوڑا جائے۔ الغرض خاموشی میں اس طرح کا تفکر ہو)۔ اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میری گفتگو ذکر ہو (یعنی میں جب بھی بولوں، اور جو بھی بولوں اُس کا اللہ سے تعلق ہو، خواہ اس طرح کہ وہ اللہ کی ثنا و صفت ہو، یا اُسکے احکام کی تعلیم و تبلیغ ہو، یا اس طرح کہ اس میں اللہ کے احکام اور حدود کی رعایت اور نگہداشت ہو، ان سب صورتوں میں جو گفتگو ہوگی وہ "ذکر" کے قبیل سے ہوگی) اور مجھے حکم ہے کہ میری نظر عبرت والی نظر ہو (یعنی میں جس چیز کو دیکھوں اس سے سبق اور عبرت حاصل کروں) اور لوگوں کو حکم کروں اچھی باتوں کا۔ (رزین)

(تشریح) ضروری تشریح ترجمہ کے ضمن میں ہو چکی ہے ——— صرف ایک بات اور قابلِ ذکر ہے، کہ حدیث کا آخری جز (وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ) اُن نو باتوں کے علاوہ ہے، گویا حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے وہ خاص نو حکم بیان فرمانے کے بعد جو آپ اس موقع پر بیان فرمانا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ایک اور اہم حکم بھی بیان فرما دیا، جس کے لئے آپ نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے خاص طور

مامور ہیں، اور وہ آپ کا خاص الخاص فرضِ منصبی ہے، یعنی "امر بالمعروف" جس میں نہی عن المنکر بھی داخل ہے، کیونکہ وہ دراصل امر بالمعروف ہی کی منفی صورت ہے ——— یہ حدیث اور اس سے پہلی حدیث بھی بڑی اہم تعلیمات کی جامع ہیں، اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر عمل نصیب فرماویں، تو اصلاح و تزکیہ کے لئے یہی دو حدیثیں کافی ہیں۔

(۹۷) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ اَوْصَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ کَلِمَاتٍ، قَالَ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ، وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَیْکَ وَاِنْ اَمَرَاکَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَھْلِکَ وَمَالِکَ، وَلَا تَتْرُکَنَّ صَلٰوۃً مَکْتُوْبَۃً مُتَعَمِّدًا فَاِنَّ مَنْ تَرَکَ صَلٰوۃً مَکْتُوْبَۃً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ ذِمَّۃُ اللّٰہِ، وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّہٗ رَاْسُ کُلِّ فَاحِشَۃٍ، وَاِیَّاکَ وَالْمَعْصِیَۃَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِیَۃِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰہِ، وَاِیَّاکَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ ھَلَکَ النَّاسُ، وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَاَنْتَ فِیْھِمْ فَاثْبُتْ، وَاَنْفِقْ عَلٰی عِیَالِکَ مِنْ طَوْلِکَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْھُمْ عَصَاکَ اَدَبًا، وَاَخِفْھُمْ فِی اللّٰہِ ——— رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دفعہ) مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، فرمایا:۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اگرچہ تم کو قتل کر دیا جائے اور جلا ڈالا جائے ——— اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو، اگرچہ وہ تم کو حکم دیں کہ اپنے اہل و عیال اور مال و منال چھوڑ کے نکل جاؤ ——— اور کبھی ایک فرض نماز بھی قصداً نہ چھوڑو، کیونکہ جس نے ایک فرض نماز بھی قصداً چھوڑی، اس کے لئے اللہ کا عہد اور ذمہ نہیں رہا ——— اور ہرگز کبھی شراب نہ پیو، کیونکہ شراب نوشی سارے فواحش کی جڑ بنیاد ہے،

(اسی لئے اس کو ام الخبائث کہا گیا ہے)۔ اور ہر گناہ سے بچو، کیونکہ گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غصہ نازل ہوتا ہے۔ اور جہاد کے معرکہ سے پیٹھ پھیر کے نہ بھاگو، اگرچہ کشتوں کے پشتے لگ رہے ہوں۔ اور جب تم کسی جگہ پر لوگوں کے ساتھ رہتے ہو، اور وہاں (کسی وبائی مرض کی وجہ سے) موت کا بازار گرم ہو جائے، تو تم وہیں جمے رہو (جان بچانے کے خیال سے وہاں سے مت بھاگو)۔ اور اپنے اہل و عیال پر اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق خرچ کرو (نہ بخل سے کام لو کہ پیسہ پاس ہوتے ہوئے اُن کو تکلیف ہو، اور نہ خرچ کرنے میں اپنی حیثیت سے آگے بڑھو)۔ اور ادب دینے کے لئے اُن پر (حسب ضرورت و موقع) سختی بھی کیا کرو۔ اور اُن کو اللہ سے ڈرایا بھی کرو۔ (مسند ۱/۱۸۳)

(تشریح) حدیث اپنے مطلب کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ تاہم چند باتیں قابل ذکر ہیں، شریعت کا مشہور و معروف مسئلہ ہے، اور قرآن مجید میں بھی اس کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے، کہ اگر کسی شخص کو شرک و کفر پر مجبور کیا جائے، اور اندازہ یہ ہو کہ اگر میں انکار پر ہی قائم رہوں گا، تو مار ڈالا جاؤں گا، تو ایسے موقع پر اس کی اجازت ہے کہ صرف زبان سے شرک و کفر کا اظہار کر کے اُس وقت جان بچالی جائے ـــــ لیکن عزیمت اور افضل یہ ہے کہ زبان سے بھی شرک و کفر کا اظہار نہ کرے، اگرچہ جان چلی جائے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ چونکہ خواص میں سے تھے، اس لئے حضورؐ نے اُن کو نصیحت فرمائی، کہ وہ ایسے موقع پر عزیمت ہی پر عمل کریں، اور جان کی پروا نہ کریں۔ ـــــ اسی طرح والدین کی اطاعت کے بارے میں جو آپ نے ارشاد فرمایا، کہ:۔ اگر وہ اہل و عیال اور اپنا کمایا ہوا سارا مال چھوڑ کے نکل جانے کو کہیں، تب بھی ان کی نافرمانی نہ کرو، یہ بھی اولیٰ اور افضل کا بیان ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اولاد کو چاہئے کہ اُن کے سخت سے سخت حکم اور ناگوار سے ناگوار حکم کو بھی مانے ـــــ ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ ـــــ ماں باپ کے ایسے سخت اور ناواجب مطالبات کا پورا کرنا اولاد پر شرعاً واجب نہیں ہے، ہاں اگر رضا کارانہ طور پر اولاد ایسا کرے،

(اور کسی دوسرے کی اس میں حق تلفی نہ ہو) تو افضل ہے اور بڑی بلند بات ہے۔

نماز کے متعلق آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ایک فرض نماز قصداً ترک کی، اس کیلئے اللہ کا عہد و ذمہ نہیں رہا ـــــ یہ اُن حدیثوں میں سے ایک ہے جن کی بنا پر حضرت امام شافعیؒ اور بعض دوسرے ائمہ نے تارک صلوٰۃ کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ حضرت امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ حاکم اسلام اس کو جو سزا دینا مناسب سمجھے دے اور قید کرے، اللہ کے عہد و ذمہ کی برأت کی یہ بھی ایک صورت ہو سکتی ہے۔ بہرحال اس میں شبہ نہیں کہ عمداً فرض نماز چھوڑنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، اور یہ گناہ اگر عین کفر نہیں ہے تو قریب بہ کفر ضرور ہے ـــــ حضورؐ کی اس جامع وصیت کے آخری حصہ کا تعلق اولاد کی خبر گیری اور ان کی تادیب و تربیت سے ہے، اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم حضورؐ کی بالکل آخری وصیت یہ ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی تمہارے ذمہ یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا کرتے رہو، اس کے لئے جو تدبیریں بھی کرنی پڑیں وہ گویا ہمارے فرائض میں سے ہیں، اور ہم اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہوں گے۔

(۹۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ خَرَجَ يَوْمًا اِلٰى مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ يُبْكِيْنِيْ شَيْءٌ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ يَسِيْرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ وَمَنْ عَادٰى لِلّٰهِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ اللّٰهَ بِالْمُحَارَبَةِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْاَبْرَارَ الْاَتْقِيَاءَ الْاَخْفِيَاءَ الَّذِيْنَ اِذَا غَابُوْا لَمْ يُفْتَقَدُوْا وَاِنْ حَضَرُوْا لَمْ يُدْعَوْا وَلَمْ يُقَرَّبُوْا قُلُوْبُهُمْ مَصَابِيْحُ الْهُدٰى يَخْرُجُوْنَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ ـــــــــــــــ

(رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن مسجد نبوی میں آئے، وہاں انھوں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے اُن سے دریافت کیا:۔ تمھارے اِس رونے کا سبب کیا ہے؟ انھوں نے کہا، کہ:۔ مجھے ایک بات رُلا رہی ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ میں نے آپ سے سنا تھا، آپ فرماتے تھے، کہ:۔ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے، اور جس شخص نے اللہ کے کسی دوست سے دشمنی کی، تو اُسنے خود اللہ کو جنگ کی دعوت دی، اور بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُن نیکو کار متقی بندوں سے جو ایسے چھپے ہوئے اور نامعروف ہوں کہ جب غائب ہوں تو کوئی ان کو تلاش نہ کرے، اور حاضر ہوں تو کوئی اُن کو دعوت دے کر اپنے پاس نہ بلائے، اُن کے دل ہدایت کے روشن چراغ، نکل جاتے ہیں کالی آندھیوں میں سے۔

(سنن ابن ماجہ و شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث جس کو یاد کرکے وہ رو رہے تھے، چند اجزاء پر مشتمل ہے۔

پہلی بات یہ تھی کہ حضورؐ نے فرمایا، کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے، درحقیقت تنہا یہی بات اُن بندوں کو رلانے کے لئے کافی ہے جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہو، اور وہ شرک کی شناعت و قباحت کو بھی جانتے ہوں ـــــ کیونکہ خفی اور باریک قسم کے ریا سے بچنا اُن بندوں کیلئے بھی بہت مشکل ہے جو اُس سے بچنے کی فکر اور کوشش بھی کرتے ہیں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ اپنے عمل کو ریا وغیرہ سے پاک رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہے، لیکن پھر اُس کو محسوس ہوتا ہے کہ ریا کی کچھ لگاوٹ آ ہی گئی، عارفین کا یہ عام حال ہے کہ وہ عمل کرتے ہیں اور بعد میں یہ محسوس کرکے روتے ہیں کہ جس اخلاص کے ساتھ عمل ہونا چاہئے وہ نصیب نہیں ہوا۔

غالباً حضرت معاذ کے اس رونے میں بھی اس احساس کو دخل تھا۔ حضرت معاذ کا بیان ہے، کہ ریا کے متعلق اس انتباہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری تنبیہ یہ فرمائی تھی، کہ جن بندوں کا اللہ سے خاص تعلق ہو اُن کے بارے میں بہت محتاط رہنا چاہئے، جو کوئی اُن خاصانِ خدا سے دشمنی کرتا ہے وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کو جنگ کی دعوت دیتا ہے، اور اُس کے غضب اور عذاب سے کھیلنا چاہتا ہے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا، کہ یاد رکھو وہ بندے محبوبانِ بارگاہِ خداوندی ہیں جو نیکوکار اور تقویٰ شعار ہیں، لیکن اسبابِ شہرت سے بچنے کی وجہ سے کوئی اُن کے اِس اعتبار کو جانتا بھی نہیں، وہ ایسے گمنام اور نامعروف ہیں کہ غائب ہوں تو کسی کو اُن کی فکر اور تلاش نہ ہو، اور موجود ہوں تو کوئی اُن کو مدعو نہ کرے، اُن کے دل روشن بلکہ دوسروں کو روشنی دینے والے چراغ ہیں، اور وہ اپنے دل کی اس روشنی کی وجہ سے فتنوں کی سخت سے سخت اندھیریوں میں سے اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھتے ہوئے نکل جاتے ہیں[1]۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رونے میں غالباً ان کے اس احساس کو بھی دخل ہوگا کہ افسوس ہم ایسے گمنام اور نامعروف نہیں رہے، اور ہماری زندگی ایسی غربت اور کس مپرسی کی نہیں رہی، اور ممکن ہے یہ بھی احساس ہو کہ اللہ کے کسی ایسے مستور الحال بندے کی مجھ سے کوئی حق تلفی نہ ہو گئی ہو، اور اُس کو میری ذات سے کوئی ایذا کبھی نہ پہنچ گئی ہو۔

(۹۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ بِطُوْلِہٖ اِلٰی اَنْ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْصِنِیْ! قَالَ اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فَاِنَّہٗ اَزْیَنُ لِاَمْرِکَ عُلِّہٖ قُلْتُ زِدْنِیْ!

---

[1] اکثر شارحین مشکوٰۃ نے حدیث کے آخری فقرے "یَخْرُجُوْنَ مِنْ کُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَۃٍ" کا مطلب یہ سمجھا ہے، کہ "اللہ کے وہ بندے تاریک اور گرد آلود مکانوں میں سے برآمد ہوتے ہیں، یعنی اُن کے رہنے کے مکانات اندھیرے اور گرد آلود ہوتے ہیں"۔ اِس عاجز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ "غبراء مظلمۃ" سے مراد فتنوں کی کالی آندھیاں ہیں، اِسلئے اِس عاجز نے ترجمہ اور تشریح میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

قَالَ عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّهٗ ذِكْرٌ لَّكَ فِي السَّمَاءِ وَنُوْرٌ لَّكَ فِي الْاَرْضِ قُلْتُ زِدْنِيْ! قَالَ عَلَيْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّهٗ مَطْرَدَةٌ لِّلشَّيْطَانِ وَعَوْنٌ لَّكَ عَلٰى اَمْرِ دِيْنِكَ، قُلْتُ زِدْنِيْ! قَالَ اِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الضَّحِكِ فَاِنَّهٗ يُمِيْتُ الْقَلْبَ وَيَذْهَبُ بِنُوْرِ الْوَجْهِ، قُلْتُ زِدْنِيْ قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا، قُلْتُ زِدْنِيْ! قَالَ لَا تَخَفْ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِيْ! قَالَ لِيَحْجُزْكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَفْسِكَ ــــــــــــــ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں :- میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اسکے بعد (یا تو خود حضرت ابوذر نے، یا ان سے روایت کرنے والے نیچے کے راوی نے) ایک طویل حدیث بیان کی (جس کو یہاں بیان نہیں کیا گیا ہے) اسی سلسلۂ کلام میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا، کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:- میں تم کو وصیت کرتا ہوں، اللہ کے تقوے کی، کیونکہ یہ تقویٰ بہت زیادہ آراستہ کردینے والا اور سنوار دینے والا ہے تمہارے سارے کاموں کو۔ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، کہ، حضرت! اور وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:- تم قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کو لازم پکڑو، کیونکہ یہ تلاوت اور ذکر ذریعہ ہوگا آسمان میں تمہارے ذکر کا، اور اس زمین میں نور ہوگا تمہارے لئے۔ ابوذر کہتے ہیں میں نے پھر عرض کیا:- حضرت مجھے کچھ اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:- زیادہ خاموش رہنے اور کم بولنے کی عادت اختیار کرو، کیونکہ یہ عادت شیطان کو دفع کرنے والی اور دین کے معاملے میں تم کو مدد

دینے والی ہے۔ ابوذر کہتے ہیں میں نے عرض کیا:۔ مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا:۔ زیادہ ہنسنا چھوڑ دو، کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ کر دیتی ہے، اور آدمی کے چہرے کا نور اس کی وجہ سے جاتا رہتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ:۔ حضرت! مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ ہمیشہ حق اور سچی بات کہو اگرچہ (لوگوں کے لئے) ناخوشگوار اور کڑوی ہو۔ میں نے عرض کیا:۔ مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا:۔ اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا کہ:۔ حضرت! مجھے اور نصیحت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ تم جو کچھ اپنے نفس اور اپنی ذات کے بارے میں جانتے ہو، چاہئے کہ وہ تم کو باز رکھے دوسروں کے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے۔ (شعب الایمان البیہقی)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اکثری عادت مبارکہ کے مطابق سب سے پہلی وصیت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو تقوے کی فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ تقویٰ تمہارے سارے کاموں کو بہت مزین اور آراستہ کر دینے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر آدمی تقوے کو اپنا شعار بنالے، تو اس کی ساری زندگی اطاعت اور بندگی والی زندگی ہو جائے گی، اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی آراستہ ہو جائے گا ــــــ پھر آپ نے تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ کی کثرت کی وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، کہ یہ اسکے نتیجہ میں آسمانوں میں یعنی ملاء اعلیٰ میں تمہارا ذکر ہوگا۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے، کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے "فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ" (تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا) تلاوت و ذکر کی دوسری برکت آپ نے یہ بیان فرمائی کہ اس سے اسی دنیا اور اسی زمین میں ایک نور تم کو حاصل ہوگا، ذکر و تلاوت سے پیدا ہونے والا نور دراصل تو بندہ کے باطن میں پیدا ہوتا ہے لیکن اسکے آثار ظاہر میں بھی محسوس ہوتے ہیں۔

اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ خاموش رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:- یہ وہ ہتھیار ہے جس سے شیطان دفع ہو سکتا ہے' اور دین کے بارے میں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ یہ واقعہ ہے جس کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے کہ شیطان آدمی کے دین کو سب سے زیادہ نقصان زبان ہی کے راستے سے پہونچا سکتا ہے، جھوٹ، غیبت، بہتان، گالی گلوچ، چغل خوری وغیرہ یہی وہ گناہ ہیں جن میں آدمی سب سے زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:- "آدمیوں کو جہنم میں منہ کے بل اُن کی زبانوں کی بیباکیاں ہی ڈلوائیں گی"۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص زیادہ خاموش رہنے اور کم بولنے کی عادت ڈال لے' وہ اپنے کو اور اپنے دین کو شیطان کے حملوں سے زیادہ محفوظ رکھ سکے گا۔ واضح رہے کہ زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کے کرنے کی ضرورت نہ ہو اور جس پر آخرت میں ثواب ملنے کی امید نہ ہو، اس سے زبان کو روکا جائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھی باتیں بھی نہ کی جائیں۔ کتاب الایمان میں یہ حدیث گذر چکی ہے' کہ:- جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو' اسے چاہئے کہ یا تو اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔

اسکے بعد آپ نے زیادہ نہ ہنسنے کی نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، کہ:- اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے' اور چہرہ بے نور ہو جاتا ہے۔ دل کے مرجانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں غفلت اور بے حسی اور ایک طرح کی ظلمت آجاتی ہے' اور اس کا اثر ظاہر پر یہ پڑتا ہے کہ چہرہ پر وہ نور باقی نہیں رہتا جو زندہ اور بیدار دل رکھنے والے اہل ایمان کے چہروں پر ہوتا ہے۔

اس سلسلۂ کلام میں آپ نے سب سے آخری نصیحت حضرت ابوذر کو یہ فرمائی، کہ:- اپنے عیبوں اور گناہوں کے بارے میں جو کچھ تم جانتے ہو، اس کی فکر تم کو اتنی ہونی چاہئے کہ دوسرے بندوں کے عیوب و ذنوب کو دیکھنے اور ان کی باتیں کرنے کی تم کو فرصت ہی نہ ہو' بلاشبہ جو بندہ بھی اپنے عیوب اور اپنے گناہوں پر نظر رکھے گا، اور اپنے نفس کا ایک سچے مومن کی طرح احتساب کرتا رہے گا، اُسے دوسروں کے معائب اور معاصی نظر ہی نہ آئیں گے، اور وہ اپنے ہی کو

سب سے زیادہ قصوروار اور گناہگار سمجھے گا، دوسروں کے عیوب اُن ہی کو زیادہ نظر آتے ہیں، جو اپنی فکر سے خالی ہوتے ہیں۔ ؎

غافل اند ایں خلق از خود بے خبر
لاجرم گویند عیبے یکدگر

(۱۰۰) عَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّهٗ كَتَبَ اِلٰى عَائِشَةَ اَنِ اكْتُبِيْ اِلَيَّ كِتَابًا تُوْصِيْنِيْ فِيْهِ وَلَا تُكْثِرِيْ فَكَتَبَتْ سَلَامٌ عَلَيْكَ، اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا، اور اس میں درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت اور وصیت فرمائیں، لیکن بات مختصر اور جامع ہو، بہت زیادہ نہ ہو ــــــ تو حضرت ام المومنین نے اُن کو یہ مختصر خط لکھا:۔

سلام ہو تم پر ــــــ اما بعد ــــــ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے جو کوئی اللہ کو راضی کرنا چاہے، لوگوں کو اپنے سے خفا کر کے، تو اللہ مستغنی کر دے گا اسکو لوگوں کی فکر اور بار برداری سے، اور خود اس کیلئے کافی ہو جائیگا اور جو کوئی بندوں کو راضی کرنا چاہے گا اللہ کو ناراض کر کے، تو اللہ اس کو سپرد کر دے گا لوگوں کے ــــــ والسلام

(جامع ترمذی)

(تشریح) اس دنیا میں رہنے والے انسانوں اور خاصکر وسیع تعلقات اور وسیع ذمہ داریاں رکھنے والے لوگوں کو بکثرت ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ اگر وہ ایسا رویہ اختیار کریں جس سے اللہ کی رضا کی امید ہو، تو بہت سے وہ لوگ خفا ہوتے ہیں جن سے تعلقات ہیں اور منفعت کی اُمیدیں ہیں، اور جن سے برابر کام نکلتے رہتے ہیں، اور اگر وہ ان لوگوں کی منشا کے مطابق چلتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ ایسے وقت کے لئے اس حدیث میں یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ بندہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا والا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات و حاجات کا خود کفیل ہو جائے گا، اور بندوں سے جن منافع کی وہ امید رکھتا ہے وہ سب اس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتے رہیں گے۔ لیکن اگر اُس نے رضاءِ الٰہی کی فکر و تلاش کو چھوڑ کر بندوں کو راضی رکھنا چاہا اور اُن کی منشا کے مطابق چلا، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی عنایت و نصرت سے محروم کر دیں گے اور ان بندوں ہی کے حوالہ کر دیں گے جو اپنی ذات سے خود بھی اسی بندہ کی طرح محتاج اور بے بس ہیں۔

حاصل یہ کہ اگر بندہ یہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست اس کی حاجات و ضروریات کے کفیل ہو جائیں، تو اسے چاہئے کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ کی اور صرف اللہ کی رضا جوئی کو اپنا نصب العین اور اصولِ حیات بنالے، اور اس کے قلبِ مومن کی صدا یہ ہو۔ ؎

با خدا دارم کار و با خلائق کار نیست

یہ نصیحت اگرچہ لفظوں میں مختصر ہے، لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ معنی و مقصد کے لحاظ سے ایک پورا دفتر ہے۔

کتاب الاخلاق

دین میں اخلاق کا درجہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتلایا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاقِ حسنہ اختیار کرے، اور بُرے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، ان میں ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے (وَيُزَكِّيهِمْ) اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے۔ حدیث کی مختلف کتابوں میں خود آپ سے یہ مضمون روایت کیا گیا ہے، کہ: میں اخلاق کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ یعنی اصلاحِ اخلاق کا کام میری بعثت کے اہم مقاصد اور میرے پروگرام کے خاص اجزاء میں سے ہے ——— اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا کیونکہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشگواری کے ساتھ گذرے گی، اور دوسروں کے لئے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہوگا، اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق بُرے ہوں تو خود بھی وہ زندگی کے لطف و مسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ اور تعلق ہوگا ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی ——— یہ تو خوش اخلاقی اور بداخلاقی کے وہ فقد دنیوی نتیجے ہیں جن کا ہم آپ روزمرّہ مشاہدہ اور تجربہ کرتے رہتے ہیں، لیکن مرنے کے بعد

والی ابدی زندگی میں ان دونوں کے نتیجے ان سے بدرجہا زیادہ اہم نکلنے والے ہیں، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا اور جنت ہے اور بداخلاقی کا انجام خداوند قہار کا غضب اور دوزخ کی آگ ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔

اخلاق کی اصلاح کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں، وہ دو طرح کے ہیں، ایک وہ جن میں آپ نے اصولی طور پر حسنِ اخلاق پر زور دیا ہے اور اس کی اہمیت و فضیلت اور اس کا غیر معمولی اخروی ثواب بیان فرمایا ہے، اور دوسرے وہ جن میں آپ نے بعض خاص خاص اخلاقِ حسنہ اختیار کرنے کی یا اسی طرح بعض مخصوص بداخلاقیوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ پہلے ہم قسم اوّل کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات یہاں درج کریں گے۔

خوش اخلاقی کی فضیلت و اہمیت:۔

(۱۰۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقًا ——— (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

(بخاری و مسلم)

(۱۰۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا ——— رواہ ابوداؤد والدارمی

(ترجمہ) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔

(ابوداؤد، دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا اُسکے اخلاق لازماً بہت اچھے ہوں گے، اور علیٰ ہذا جس کے اخلاق بہت اچھے ہوں گے اُس کا ایمان بھی بہت کامل ہوگا ـــــ واضح رہے کہ ایمان کے بغیر اخلاق بلکہ کسی عمل کا حتّٰی کہ عبادات کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ہر عمل اور ہر نیکی کے لئے ایمان بمنزلۂ روح اور جان کے ہے اس لئے اگر کسی شخصیت میں اللہ اور اسکے رسول پر ایمان کے بغیر اخلاق نظر آئے، تو وہ حقیقی اخلاق نہیں ہے، بلکہ اخلاق کی صورت ہے، اسلئے اللہ کے یہاں اسکی کوئی قیمت نہیں ہے۔

(۱۰۳) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَثْقَلَ شَیْءٍ یُوْضَعُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ خُلُقٌ حَسَنٌ ـــــــــ رواہ ابوداؤد والترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن مومن کی میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اسکے اچھے اخلاق ہوں گے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

(۱۰۴) عَنْ رَجُلٍ مِنْ مُزَیْنَۃَ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا خَیْرُ مَا اُعْطِیَ الْاِنْسَانُ ؟ قَالَ الْخُلُقُ الْحَسَنُ ـــــــــ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان والبغوی فی شرح السنۃ عن اسامۃ بن شریک)

(ترجمہ) قبیلہ مزینہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اچھے اخلاق" ـــــ (اس کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور امام بغوی نے شرح السنہ میں اس حدیث کو اسامہ بن شریک صحابی سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) ان حدیثوں سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ اخلاق حسنہ کا درجہ ایمان یا ارکان سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ صحابہ کرام جو ان ارشادات کے مخاطب تھے اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے یہ تو معلوم ہی ہو چکا تھا کہ دین کے شعبوں میں سب سے بڑا درجہ ایمان اور توحید کا ہے اور اس کے بعد ارکان کا مقام ہے۔ پھر ان کے بعد دینی زندگی کے جو مختلف اجزاء رہتے ہیں اُن میں مختلف جہات سے بعض کو بعض پر فوقیت اور امتیاز حاصل ہے اور بلاشبہ اخلاق کا مقام بہت بلند ہے، اور انسانوں کی سعادت اور فلاح میں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی مقبولیت و محبوبیت میں اخلاق کو یقیناً خاص الخاص دخل ہے۔

(۱۰۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ ——— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ صاحب ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق سے ان لوگوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو رات بھر نفلی نمازیں پڑھتے ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوں۔ (ابوداؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جس بندہ کا حال یہ ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے سچا مومن ہو، اور ساتھ ہی اس کو حُسنِ اخلاق کی دولت بھی نصیب ہو، تو اگرچہ وہ رات کو زیادہ نفلیں نہ پڑھتا ہو، اور کثرت سے نفلی روزے نہ رکھتا ہو، لیکن پھر بھی وہ اپنے حُسن اخلاق کی وجہ سے اُن شب بیداروں عبادت گذاروں کا درجہ پالے گا جو قائم اللیل اور صائم النہار ہوں یعنی جو راتیں نفلوں میں کاٹتے ہوں اور دن کو عموماً روزہ رکھتے ہوں۔

(۱۰۶) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ كَانَ اٰخِرَ مَا وَصَّانِيْ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ وَضَعْتُ رِجْلِيْ فِي الْغَرْزِ اَنْ قَالَ يَا مُعَاذُ اَحْسِنْ

خُلُقَكَ لِلنَّاسِ ـــــــــــــــــــ رواہ مالک

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیت مجھے کی تھی جبکہ میں نے اپنا پاؤں اپنی سواری کی رکاب میں رکھ لیا تھا، وہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا:۔ لوگوں کے لئے اپنے اخلاق کو بہتر بناؤ یعنی بندگانِ خدا کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (مؤطا امام مالک)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، مدینہ طیبہ سے اُن کو رخصت کرتے وقت آپ نے خاص اہتمام سے بہت سی نصیحتیں کی تھیں جو حضرت معاذ سے مختلف ابواب میں مروی ہیں۔ حضرت معاذ کا اشارہ اس حدیث میں اسی موقع کی طرف ہے، اور ان کا مطلب یہ ہے کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی سواری پر سوار ہونے لگا، اور اس کی رکاب میں میں نے پاؤں رکھا، تو اس وقت آخری نصیحت حضورؐ نے مجھ سے یہ فرمائی تھی، کہ:۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔

واضح رہے کہ خوش اخلاقی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ جو عادی مجرم اور ظلم پیشہ بدمعاش سختی کے مستحق ہوں اور سختی کے بغیر ان کا علاج نہ ہو سکتا ہو ان کے ساتھ بھی نرمی کی جائے، یہ تو اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور مداہنت ہوگی۔ بہرحال عدل و انصاف اور اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ مجرموں کی تادیب اور تعزیر کے سلسلہ میں اُن پر سختی کرنا کسی اخلاقی قانون میں بھی حُسنِ اخلاق کے خلاف نہیں ہے۔

(ف) یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے کہ حضرت معاذ کو یمن رخصت کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا، کہ:۔ شاید اس کے بعد مجھ سے تمہاری ملاقات نہ ہو، اور بجائے میرے میری مسجد اور میری قبر پر تمہارا گذر ہو ـــــ اور چونکہ آپ کی عام عادت ایسی بات کرنے کی نہ تھی، اسلئے حضرت معاذ نے اس سے یہی سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں، اور شاید اب مجھے اس دنیا میں حضورؐ کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ کا

یہ ارشاد سن کر وہ رو پڑے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر ان کو تسلی دی، کہ: "اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا وَحَیْثُ کَانُوْا" (اللہ کے متقی بندے جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں وہ مجھ سے قریب رہیں گے) اور یہی ہوا کہ یمن سے حضرت معاذ کی واپسی حضورؐ کی حیات مبارکہ میں نہیں ہوئی، اور جب آئے تو آپ کی قبر مبارک ہی کو پایا۔

(۱۰۷) عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ ـــــ رواہ فی الموطا ورواہ احمد عن ابی ہریرۃ۔

(ترجمہ) حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ مجھے حضورؐ کی یہ حدیث پہونچی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہونچادوں ـــــ (امام مالکؒ نے اس کو اپنی موطا میں اسی طرح بغیر کسی صحابی کے حوالے کے روایت کیا ہے، اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اس کو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے)۔

(تشریح) اس روایت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصلاح اور مکارم اخلاق کی تکمیل آپ کے خاص مقاصد بعثت میں سے ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا قرآن مجید میں جس تزکیہ کو آپ کا خاص کام بتلایا گیا ہے اخلاق کی اصلاح اس کا اہم جز ہے۔

(۱۰۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقًا ـــــ رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) حضرت جابرؓ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اس طرح ہے کہ "اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ وَاَقْرَبِکُمْ مِنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَحْسَنَکُمْ

اَخْلَاقًا" (تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں اور قیامت کے دن اُن ہی کی نشست بھی میرے زیادہ قریب ہوگی جن کے اخلاق تم میں زیادہ بہتر ہیں) گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور قیامت کے دن آپ کا قرب نصیب ہونے میں حُسنِ اخلاق کی دولت کو خاص دخل ہے۔

حُسنِ اخلاق کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا بھی پڑھ لیجیے، اور اپنے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیا کیجیے۔

(۱۰۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِيْ فَاَحْسِنْ خُلُقِيْ ——— رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کرتے تھے "اے میرے اللہ! تو نے اپنے کرم سے میرے جسم کی ظاہری بناوٹ اچھی بنائی ہے اسی طرح میرے اخلاق بھی اچھے کر دے"

(ف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حُسنِ اخلاق کی دعا بہت سے موقعوں پر مختلف الفاظ میں روایت کی گئی ہے، انشاء اللہ کتاب الدعوات میں آپ کی وہ دعائیں نقل کی جائیں گی ——— یہاں ان میں سے صرف ایک دعا اور بھی پڑھ لیجیے۔

صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد کی کچھ تفصیل روایت کی گئی ہے، اسی میں ہے کہ آپ نے دورانِ نماز میں جو دعائیں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگیں اُن میں سے ایک دعا یہ بھی تھی:۔

وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ	اے میرے اللہ! تو مجھ کو بہتر سے بہتر
لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا	اخلاق کی رہنمائی کر، تیرے سوا کوئی
اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا	بہتر اخلاق کی رہنمائی نہیں کر سکتا،
لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا	اور بُرے اخلاق کو میری طرف سے

لا الٰہ انت ـــــــــــــــ ہٹا دے ان کو تیرے سوا کوئی ہٹا بھی نہیں سکتا۔

یہ حدیثیں حُسنِ اخلاق کی فضیلت و اہمیت سے متعلق تھیں، اب آگے مختلف عنوانات کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات درج ہوں گے جن میں آپ نے خاص خاص اخلاقِ حسنہ کی ترغیب دی ہے، یا بُرے اخلاق سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اچھے اخلاق اور بُرے اخلاق

رحمدلی اور بے رحمی :-

رحمت ـــــــ دراصل اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، اور رحمٰن اور رحیم اسکے خاص نام ہیں۔ اور جن بندوں میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا جتنا عکس ہے وہ اتنے ہی مبارک اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اتنے ہی مستحق ہیں، اور جو جس قدر بے رحم ہیں وہ اللہ کی رحمت سے اُسی قدر محروم رہنے والے ہیں۔

دوسروں پر رحم کھانیوالے ہی اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں :-

(۱۱۰) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کے لئے رحم نہیں اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے۔

(بخاری ومسلم)

(تشریح) اس حدیث میں "الناس" کا لفظ عام ہے، جو مومن و کافر اور متقی و فاجر سب کو شامل ہے، اور بلاشبہ رحم سب کا حق ہے، البتہ کافر اور فاجر کے ساتھ سچی رحمدلی کا سب سے

بڑا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ اسکے کفر اور فجور کے انجام کا ہمارے دل میں درد ہو، اور ہم اس سے اس کو بچانے کی کوشش کریں، اسکے علاوہ اگر وہ کسی دنیوی اور جسمانی تکلیف میں ہو تو اس سے اس کو بچانے کی فکر کرنا بھی رحمدلی کا یقیناً تقاضا ہے، اور ہم کو اس کا بھی حکم ہے۔

(۱۱۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ ——— رواه ابوداؤد والترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ:۔ رحم کرنے والوں اور ترس کھانے والوں پر بڑی رحمت والا خدا رحم کرے گا، زمین پر رہنے بسنے والی اللہ کی مخلوق پر تم رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحمت کرے گا (سنن ابی داؤد وجامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ خدا کی خاص رحمت کے مستحق بس وہی نیک دل بندے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی دوسری مخلوق کے لئے رحم ہے۔

اس حدیث میں زمین میں رہنے بسنے والی اللہ کی ساری مخلوق پر رحم کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے جس میں انسانوں کے تمام طبقوں کے علاوہ جانور بھی شامل ہیں، آگے آنے والی حدیثوں میں اس عموم کی صراحت بھی کی گئی ہے۔

ایک شخص پیاسے کتے کو پانی پلانے پر بخشا گیا:۔

(۱۱۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِيْ بِطَرِيْقٍ اِشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيْهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَاِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَاْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ

مِثْلُ الَّذِیْ کَانَ بِفَلَاۃٍ فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّہٗ ثُمَّ اَمْسَکَہٗ بِفِیْہِ فَسَقٰی لِلْکَلْبِ فَشَکَرَ اللّٰہُ لَہٗ فَغَفَرَ لَہٗ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَاِنَّ لَنَا فِی الْبَھَائِمِ اَجْرًا؟ فَقَالَ نَعَمْ فِیْ کُلِّ ذَاتِ کَبِدٍ رَطْبَۃٍ اَجْرٌ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اس اثناء میں کہ ایک آدمی راستہ چلا جا رہا تھا، اُسے سخت پیاس لگی، چلتے چلتے اُسے ایک کنواں ملا، وہ اُسکے اندر اُترا، اور پانی پی کر باہر نکل آیا، کنوئیں کے اندر سے نکل کر اُسنے دیکھا کہ ایک کُتا ہے جس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے اور پیاس کی شدت سے وہ کیچڑ کھا رہا ہے، اُس آدمی نے دل میں کہا کہ اِس کُتے کو بھی پیاس کی ایسی ہی تکلیف ہے جیسی کہ مجھے تھی، اور وہ اُس کُتے پر رحم کھا کر پھر اُس کنوئیں میں اُترا، اور اپنے چمڑے کے موزے میں پانی بھر کر اُسنے اُس کو اپنے مُنہ سے تھاما، اور کنوئیں سے نکل آیا، اور اُس کُتے کو وہ پانی اُسنے پلا دیا، اللہ تعالیٰ نے اُس کی اِس رحمدلی اور اس محنت کی قدر فرمائی اور اِسی عمل پر اُس کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا ــــــ بعض صحابہ نے حضورؐ سے یہ واقعہ سُن کر دریافت کیا، کہ:۔ یا رسول اللہ! کیا جانوروں کی تکلیف دور کرنے میں بھی ہمارے لئے اجر و ثواب ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ ہاں! ہر زندہ اور ترجگر رکھنے والے جانور (کی تکلیف دور کرنے) میں ثواب ہے۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) بعض اوقات ایک معمولی عمل دل کی خاص کیفیت یا خاص حالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قبولیت حاصل کر لیتا ہے، اور اُس کا کرنے والا اُسی پر بخشدیا جاتا ہے، اِس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اُس کی نوعیت بھی یہی ہے۔ آپ ذرا سوچئے! ایک شخص گرمی کے موسم میں اپنی منزل کی طرف چلا جا رہا ہے، اُس کو پیاس لگی ہے، اِسی حالت میں اُس کو ایک کنواں

نظر پڑ گیا، لیکن پانی نکالنے کا کوئی سامان رسی ڈول وغیرہ وہاں نہیں ہے اسلئے مجبوراً یہ شخص پانی پینے کے لئے خود ہی کنوئیں میں اُتر گیا، وہیں پانی پیا اور نکل آیا، اب اُس کی نظر ایک کتے پر پڑی، جو پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا تھا، اُس کو اُس کی حالت پر ترس آیا، اور دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس کو بھی پانی پلاؤں، اُس وقت ایک طرف اس کی اپنی حالت کا تقاضا یہ ہوگا کہ اپنا راستہ لوں، اور منزل پر جلدی پہونچ کے آرام کروں، اور دوسری طرف اُسکے جذبۂ رحم کا داعیہ یہ ہوگا کہ خواہ میرا راستہ کھوٹا ہو، اور خواہ کنوئیں سے پانی نکالنے میں مجھے کیسی ہی محنت و مشقت کرنی پڑے لیکن میں اللہ کی اِس مخلوق کو پیاس کی تکلیف سے نجات دوں، اِس کشمکش کے بعد جب اُس نے اپنی طبیعت کے آرام کے تقاضے کے خلاف جذبۂ رحم کے تقاضے کے مطابق فیصلہ کیا اور کنوئیں میں اُتر کر موزے میں پانی بھر کر اور مُنھ میں موزا تھام کر محنت و مشقت سے پانی نکال کے لایا، اور اُس پیاسے کتے کو پلایا، تو اُس بندہ کی اِس خاص حالت اور ادا پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آگیا، اور اسی پر اس کی مغفرت کا فیصلہ فرما دیا گیا۔

الغرض مغفرت و بخشش کے اِس فیصلہ کا تعلق صرف کتے کو پانی پلانے کے عمل ہی سے نہ سمجھنا چاہئے، بلکہ جس خاص حالت میں اور جس جذبہ کے ساتھ اُسنے یہ عمل کیا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند آیا، اور اسی پر اس بندہ کی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کر دیا گیا۔

(۱۱۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَائِطًا لِرَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا فِيْهِ جَمَلٌ فَلَمَّا رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَنَّ وَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ فَاَتَاهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ ذِفْرَاهُ فَسَكَتَ فَقَالَ مَنْ رَبُّ هٰذَا الْجَمَلِ ؟ لِمَنْ هٰذَا الْجَمَلُ ؟ فَجَاءَ فَتًى مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ لَهٗ اَفَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهِيْمَةِ الَّتِيْ مَلَّكَكَ اِيَّاهُ ؟ فَاِنَّهٗ شَكَى اِلَيَّ اَنَّكَ تُجِيْعُهٗ وَتُدْئِبُهٗ ——— رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے، وہاں ایک اونٹ تھا، جب اُس اونٹ نے آپ کو دیکھا، تو ایسا ڈکرایا اور ایسی درد بھری آواز اُسنے نکالی، جیسی بچے کے جدا ہو جانے پر اونٹنی کی آواز نکلتی ہے، اور اُس کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسکے قریب تشریف لیگئے، اور آپ نے اس کی کنوتیوں پر اپنا دستِ شفقت پھیرا (جیسے کہ گھوڑے یا اونٹ پر پیار کرتے وقت ہاتھ پھیرا جاتا ہے) وہ اونٹ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ:- یہ اونٹ کس کا ہے؟ اِس کا مالک کون ہے؟۔ ایک انصاری نوجوان آئے اور انھوں نے عرض کیا:- حضرت! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس بیچارے بے زبان جانور کے بارہ میں تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں جس نے تم کو اس کا مالک بنایا ہے اسنے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اِس کو بھوکا رکھتے ہو، اور زیادہ کام لے کر تم اِس کو بہت دکھ پہونچاتے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے معجزانہ طور پر پرندوں کی بولی سمجھ لیتے تھے، جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے (عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جانوروں کی بات چیت معجزانہ طور پر سمجھ لیتے تھے ——— اِس حدیث میں اونٹ کی شکایت کو سمجھنے کا، اور اس سے بعد والی حدیث میں ایک چڑیا کی شکایت کو سمجھنے کا جو ذکر ہے، بظاہر وہ اِسی قبیل سے ہے، اور گویا حضورؐ کا ایک معجزہ ہے ——— حدیث کی خاص تعلیم یہ ہے کہ جس کے پاس کوئی جانور ہو، اُس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُسکے کھلانے پلانے سے غافل نہ ہو، اور اُس پر کام کا بوجھ بھی اُس کی قوت سے زیادہ نہ ڈالے۔

دنیا نے "انسدادِ بے رحمی" کی ذمہ داری کو اب کچھ سمجھا ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے قریباً چودہ سو برس پہلے دنیا کو یہ سکھایا تھا۔

(۱۱۴) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهٖ فَرَاَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَاَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَاءَتِ الْحُمَّرَةُ فَجَعَلَتْ تَعْرِشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا ؟ رُدُّوْا وَلَدَهَا اِلَيْهَا ـــــ وَرَاٰى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا فَقَالَ مَنْ حَرَّقَ هٰذِهٖ ؟ قُلْنَا نَحْنُ قَالَ اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ ـــــ رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے، اس اثناء میں ہماری نظر ایک چھوٹی سی سُرخ چڑیا (غالباً نیل کنٹھ) پر پڑی، جس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے اُس کے دو بچے بھی تھے ہم نے اُن بچوں کو پکڑ لیا، وہ چڑیا آئی اور ہمارے سروں پر منڈلانے لگی، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا:۔ کس نے اس کے بچے پکڑ کے اسے ستایا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو ـــــ اور آپ نے چیونٹیوں کی ایک بستی دیکھی (یعنی زمین کا ایک ایسا ٹکڑا جہاں چیونٹیوں کے بہت سوراخ تھے اور چیونٹیوں کی بہت کثرت تھی) ہم نے وہاں آگ لگا دی تھی۔ آپ نے فرمایا:۔ کس نے ان کو آگ سے جلایا ہے؟۔ ہم نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ ہم نے ہی یہ آگ لگائی ہے۔ آپ نے فرمایا:۔ آگ کے پیدا کرنے والے خدا کے سوا کسی کے لئے یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ کسی جاندار کو آگ کا عذاب دے۔

(سنن ابوداؤد)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا، کہ جانوروں حتیٰ کہ زمین کی چیونٹیوں کا بھی حق ہے

کہ اُن کو بلا وجہ نہ ستایا جائے۔

(۱۱۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَتِ امْرَأَةٌ النَّارَ فِيْ هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ ——— رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، کہ:۔ ایک بے درد اور بے رحم عورت اسلئے جہنم میں ڈالی گئی کہ اُسنے ایک بلی کو باندھ کے (بھوکا مار ڈالا) نہ تو اُسے خود کچھ کھانے کو دیا، اور نہ اُسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑوں سے اپنی غذا حاصل کر لیتی۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) حضرت جابر کی ایک روایت سے جو صحیح مسلم میں مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے درد اور بے رحم عورت بنی اسرائیل میں سے تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں، یا خواب یا بیداری کے کسی اور مکاشفہ میں اس کو دوزخ میں بچشم خود مبتلائے عذاب دیکھا۔

بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے ساتھ بھی بیدردی اور بے رحمی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والا اور جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔ اللّٰھم احفظنا!۔

(۱۱۶) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ الصَّادِقَ الْمَصْدُوْقَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ ———

(رواہ احمد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں، کہ میں نے صادق ومصدوق سیدنا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ نہیں نکالا جاتا رحمت کا مادہ مگر بدبخت کے دل سے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رحم اور ترس کے مادہ سے کسی کے دل کا بالکل خالی ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ بدبخت اور بے نصیب ہے کیونکہ کسی بدبخت ہی کا دل رحمت کے مادہ سے خالی ہوتا ہے۔

(۱۱۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا شَكَا اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ قَالَ اِمْسَحْ رَاْسَ الْیَتِیْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْكِیْنَ ــــــ

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قساوتِ قلبی (سخت دلی) کی شکایت کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا، کہ: یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو، اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

(مسند احمد)

(تشریح) سخت دلی اور سنگ دلی ایک روحانی مرض اور انسان کی بدبختی کی نشانی ہے، سائل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل اور اپنی روح کی اس بیماری کا حال عرض کر کے آپ سے علاج دریافت کیا تھا، آپ نے ان کو دو باتوں کی ہدایت فرمائی، ایک یہ کہ یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا کرو، اور دوسرے یہ کہ بھوکے فقیر مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بتلایا ہوا یہ علاج علم النفس کے ایک خاص اصول پر مبنی ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ حضورؐ کے اس ارشاد سے اس اصول کی تائید و توثیق ہوتی ہے، وہ اصول یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے نفس یا قلب میں کوئی خاص کیفیت نہ ہو، اور وہ اس کو پیدا کرنا چاہے، تو ایک تدبیر اس کی یہ بھی ہے، کہ اس کیفیت کے آثار اور لوازم کو وہ اختیار کرلے، انشاء اللہ کچھ عرصہ کے بعد وہ کیفیت بھی نصیب ہو جائے گی۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لئے کثرتِ ذکر کا طریقہ جو حضرات صوفیہ کرام میں رائج ہے، اس کی بنیاد بھی اسی اصول پر ہے۔

بہرحال یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اور مسکین کو کھانا کھلانا در اصل جذبۂ رحم کے آثار میں سے ہے،

لیکن جب کسی کا دل اس جذبہ سے خالی ہو، وہ اگر یہ عمل بے تکلف ہی کرنے لگے تو انشاء اللہ اُس کے قلب میں بھی رحم کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

سخاوت اور بخل :۔

سخاوت، یعنی اپنی کمائی دوسروں پر خرچ کرنا، اور دوسروں کے کام نکالنا بھی رحم ہی کی ایک شاخ ہے۔ جس طرح بخل اور کنجوسی، یعنی دوسروں پر خرچ نہ کرنا، اور دوسروں کے کام نہ آنا بے رحمی اور سخت دلی ہی کی ایک خاص صورت ہے ——— ان دونوں کے بارہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سُنئے :۔

(۱۱۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللّٰهِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَلَجَاهِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ ——— رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ سخی بندہ اللہ سے قریب ہے (یعنی اُس کو قربِ خداوندی حاصل ہے) نیز اللہ کے بندوں سے قریب ہے (یعنی اللہ کے بندے اس کی سخاوت کی صفت کی وجہ سے اس سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں، اور اُس کے ساتھ لگے رہتے ہیں) اور جنت سے قریب اور دوزخ سے دور ہے ——— اور بخیل اور کنجوس آدمی اللہ سے دور، یعنی قربِ خداوندی کی نعمت سے محروم ہے، اللہ کے بندوں سے بھی دور ہے (کیونکہ اس کی کنجوسی کی وجہ سے وہ اس سے الگ اور بے تعلق رہتے ہیں) اور جنت سے دور اور دوزخ سے قریب ہے، اور بلاشبہ ایک

بے علم سخی اللہ تعالیٰ کو عبادت گذار کنجوس سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی)

(۱۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَیْكَ ——— رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، کہ:۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ارشاد ہے کہ تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو، میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ منشور ازلی ہے کہ جو بندے اپنی کمائی اور اپنی محنت دوسرے ضرورت مندوں پر صرف کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے اُن کو برابر عطا فرماتا رہے گا، اور وہ ہمیشہ فقر وفاقہ کی تکلیف سے محفوظ رکھے جائیں گے۔

(۱۲۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ مَا سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَیْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا ——— رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو، اور آپ نے جواب میں نہیں فرمایا ہو۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ آپ نے کبھی کسی سائل کو نہیں کہہ کر واپس نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ ہر سائل کو دیا، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ کے پاس نہ ہوا، تو آپ نے قرض منگوا کر دیا۔

(۱۲۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عِنْدِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَّا یَمُرَّ عَلَیَّ ثَلٰثُ لَیَالٍ وَعِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اَرْصُدُهٗ لِدَیْنٍ ———

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ اگر میرے پاس احد پہاڑ برابر بھی سونا ہو، تو میری خوشی یہی ہوگی کہ مجھ پر تین راتیں بھی ایسی نہ گذریں، کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی ہو، بجز اسکے کہ میں کسی قرض کی ادائیگی کے لئے اس میں سے کچھ روک لوں۔

(بخاری و مسلم)

(۱۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا ــــــــــ

(رواہ النسائی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ حرص و بخل اور ایمان کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے (یعنی بخیلی و کنجوسی اور ایمان کا کوئی جوڑ نہیں)۔ (سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت اور بخل کی عادت میں ایسی منافات ہے کہ جس دل کو حقیقی ایمان نصیب ہوگا اس میں بخل نہیں آسکتا، اور جس میں بخل دیکھا جائے، تو سمجھ لیا جائے کہ اس میں ایمان کا نور نہیں ہے ــــــ ذرا سا غور کرنے سے ہر ایک کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر کامل ایمان و یقین کے بعد دل میں بخل اور کنجوسی جیسی کسی خصلت کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں رہ سکتی۔

(۱۲۳) عَنْ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ وَلَا بَخِیْلٌ وَلَا مَنَّانٌ ــــــــــ

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا، کہ:۔ دھوکہ باز، بخیل اور احسان

جتانے والا آدمی جنّت میں نہ جاسکے گا۔ (جامع ترمذی)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں بُری خصلتیں (دھوکہ بازی، کنجوسی اور احسان کرکے جتانا) اُن خطرناک اور تباہ کن عادات میں سے ہیں جو جنّت کے راستے میں رکاوٹ بننے والی ہیں، اسلئے جو بندے جنّت کے شائق اور دوزخ سے خائف ہوں، اُن کو چاہئے کہ اِن عادتوں سے اپنی حفاظت کریں۔

انتقام نہ لینا اور معاف کردینا:۔

رحم دلی کی جڑ سے جو شاخیں پھوٹتی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے مجرم اور قصوروار کو معاف کردیا جائے، اور اس سے انتقام نہ لیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمّت کو بھی اس کی خاص طور سے ترغیب دیتے تھے ـــــ چند ہی ورق پہلے "کتاب الرّقاق" کے آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث درج ہوچکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:۔ مجھے میرے رب نے نو باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے، اور اُن میں ایک بات آپ نے یہ ذکر فرمائی، کہ مجھے حکم ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی کرے، میں اُس کو معاف کردیا کروں ـــــ اِس سلسلہ کی ایک دو حدیثیں یہاں اور بھی پڑھ لیجئے:۔

(۱۲۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا شَتَمَ اَبَا بَكْرٍ وَالنَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ یَتَعَجَّبُ وَیَتَبَسَّمُ فَلَمَّا اَكْثَرَ رَدَّ عَلَیْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ فَغَضِبَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ فَلَحِقَهٗ اَبُوْبَكْرٍ وَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ یَشْتِمُنِیْ وَاَنْتَ جَالِسٌ فَلَمَّا رَدَدْتُّ عَلَیْهِ بَعْضَ قَوْلِهٖ غَضِبْتَ وَقُمْتَ قَالَ كَانَ مَعَكَ مَلَكٌ یَرُدُّ عَلَیْهِ فَلَمَّا رَدَدْتَّ عَلَیْهِ وَقَعَ الشَّیْطَانُ، ثُمَّ قَالَ یَا اَبَا بَكْرٍ ثَلٰثٌ كُلُّهُنَّ حَقٌّ مَا مِنْ عَبْدٍ ظُلِمَ بِمَظْلِمَةٍ فَیُغْضِیْ عَنْهَا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اِلَّا

اَعَزَّ اللّٰہُ بِھَا نَصْرَہٗ وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ عَطِیَّۃٍ یُرِیْدُ بِھَا صِلَۃً اِلَّا زَادَ اللّٰہُ بِھَا کَثْرَۃً، وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ مَسْئَلَۃٍ یُرِیْدُ بِھَا کَثْرَۃً اِلَّا زَادَ اللّٰہُ بِھَا قِلَّۃً ——— رواہ احمد۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو گالیاں دیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، (اور آپ اس شخص کے مسلسل گالیاں دینے پر اور ابوبکر کے صبر کرنے اور خاموش رہنے پر) تعجب اور تبسم فرما رہے تھے، پھر جب اُس آدمی نے بہت ہی زیادہ گالیاں دیں (اور زبان کو روکا ہی نہیں) تو ابوبکر نے بھی اُس کی بعض باتوں کو اُس پر الٹ دیا اور کچھ جواب دیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ناراضی کے ساتھ وہاں سے اُٹھ کر چل دیئے (حضرت ابوبکر کو اس سے بہت فکر لاحق ہوئی، اور وہ بھی معذرت کے لئے اور حضورؐ کی ناراضی کا سبب معلوم کرنے کے لئے آپ کے پیچھے چلے) پس ابوبکر آپ کے پاس پہونچے اور عرض کیا، یارسول اللہ! (یہ کیا بات ہوئی، کہ) وہ شخص مجھے گالیاں دیتا رہا اور آپ وہاں تشریف فرما رہے، پھر جب میں نے کچھ جواب دیا، تو حضور ناراض ہو کر اُٹھ آئے؟ ——— آپ نے ارشاد فرمایا۔ جب تک تم خاموش تھے اور صبر کر رہے تھے، تمہارے ساتھ اللہ کا ایک فرشتہ تھا، جو تمہاری طرف سے جوابدہی کر رہا تھا، پھر جب تم نے خود جواب دیا، تو (وہ فرشتہ تو چلا گیا، اور) شیطان بیچ میں آگیا (کیونکہ اُسے اُمید ہو گئی کہ وہ لڑائی کو اور آگے بڑھا سکے گا) ——— اسکے بعد آپ نے فرمایا، اے ابوبکر! تین باتیں ہیں جو سب کی سب بالکل حق ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ جس بندہ پر کوئی ظلم و زیادتی کیجائے اور وہ محض اللہ عزوجل کے لئے اس سے درگزر کرے (اور انتقام نہ لے)، تو اللہ تعالیٰ اسکے بدلہ میں اس کی بھرپور مدد فرمائیں گے (دنیا اور آخرت میں اُس کو

عزت دیں گے) ——— اور دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص صلۂ رحمی کے لئے دوسروں کو دینے کا دروازہ کھولے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو اور بہت زیادہ دیں گے ——— اور تیسری بات یہ ہے کہ جو آدمی (ضرورت سے مجبور ہو کر نہیں، بلکہ) اپنی دولت بڑھانے کے لئے سوال اور گداگری کا دروازہ کھولے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی دولت کو اور زیادہ کم کر دیں گے۔ (مسند ۱/۱۹۱)

(تشریح) انصاف کے ساتھ ظلم کا بدلہ لینا اگرچہ جائز ہے، لیکن فضیلت اور عزیمت کی بات یہی ہے کہ بدلہ لینے کی قدرت کے باوجود محض اللہ کے لئے معاف کر دے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ چونکہ اخص الخواص میں سے تھے، اسلئے آپ نے ان کی طرف سے تھوڑی سی جوابدہی کو بھی پسند نہیں فرمایا ——— قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا	اور برائی کا (قانونی) بدلہ اسی کی مثل
فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ	برائی ہے (یعنی جس درجہ کی زیادتی
عَلَى اللّٰهِ ———	کسی نے کی، اسکے بدلے میں اسکے ساتھ
(شوریٰ - ع - ۴)	اسی درجہ کی زیادتی کی قانوناً اجازت ہے

لیکن) اللہ کا جو بندہ انتقام نہ لے، اور معاف کر دے، اور صلح و اصلاح کی کوشش کرے، تو اس کا خاص اجر و ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

(۱۲۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ مَنْ اَعَزُّ عِبَادِكَ عِنْدَكَ قَالَ مَنْ اِذَا قَدَرَ غَفَرَ ——— رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا، پروردگار! آپ کے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں

زیادہ باعزت ہیں؟۔ ارشاد فرمایا:۔ وہ بندے جو (قصور وار پر) قابو پانے کے بعد (اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود) اس کو معاف کر دیں۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) یہاں یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ قصور وار کا قصور معاف کرنے کی اس فضیلت کا تعلق افراد و اشخاص اور ان کے ذاتی اور نجی حقوق و معاملات سے ہے، لیکن جو جرائم اللہ تعالیٰ کے جرائم ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر سزا مقرر ہے اس سزا کے معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے ——— خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دنیا میں سب سے زیادہ رحمدل تھے آپ کا طرز عمل بھی یہی تھا کہ اپنا قصور کرنے والوں کو ہمیشہ معاف فرما دیتے تھے لیکن اللہ کی حدوں کے توڑنے والوں کو اللہ کے حکم کے مطابق ضرور سزا دیتے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔ وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهٖ فِيْ شَيْءٍ قَطُّ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمَ

(۱۲۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ أَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَصَمَتَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ أَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ قَالَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً ——— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! میں اپنے خادم (غلام یا نوکر) کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟۔ آپ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ اس نے پھر وہی عرض کیا، کہ:۔ یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ ہر روز ستر دفعہ۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) سوال کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت اگر میرا خادم غلام یا نوکر بار بار قصور کرے،

لہ مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی کو کوئی سزا نہیں دی، لیکن جب اللہ کی حدوں کو کوئی توڑتا، تو آپ اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے سزا دیتے تھے۔

تو کہاں تک میں اس کو معاف کروں، اور کتنی دفعہ معاف کرنے کے بعد میں اس کو سزا دوں؟ ــــ آپ نے جواب دیا، کہ:۔ اگر بالفرض روزانہ ستّر دفعہ بھی وہ قصور کرے، تو تم اس کو معاف ہی کرتے رہو ــــــ حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ قصور کا معاف کرنا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی حد مقرر کی جائے، بلکہ حُسنِ اخلاق اور ترحّم کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بالفرض وہ روزانہ ستّر دفعہ بھی قصور کرے، تو اس کو معاف ہی کر دیا جائے۔

(ف) جیسا کہ بار بار لکھا جا چکا ہے ستّر کا عدد ایسے موقعوں پر تحدید کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ صرف تکثیر کے لئے ہوتا ہے، اور خاصکر اس حدیث میں یہ بات بہت ہی واضح ہے۔

اِحسان:۔

رحم ہی کی شاخوں میں سے، یا یوں کہہ لیجئے کہ رحم کے ثمروں میں سے احسان کی صفت بھی ہے احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ اپنی طرف سے بھلائی کی جائے خواہ اس طرح کہ اس کو کوئی چیز بطور تحفہ دی جائے، یا اس کا کوئی کام کر دیا جائے، اس کو آرام پہونچایا جائے، یا کوئی ایسا کام کیا جائے جو اس کے لئے خوشی اور مسرت کا باعث ہو، یہ سب صورتیں احسان کی ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو ان سب کی ترغیب دی ہے۔

(۱۲۷) عَنْ اَنَسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ ــــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(ترجمہ) حضرت انس اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (یعنی سب مخلوق کی روزی اور اُن کی ضروریاتِ حیات کا حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے، جس طرح کہ کوئی آدمی اپنے اہل و عیال کی روزی اور اُنکی ضروریات کا

مجازاً کفیل ہوتا ہے) پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت اُن بندوں سے ہے جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان کریں۔

(تشریح) ہماری اس دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جو کوئی کسی کے اہل و عیال کیساتھ احسان کرے اُس کے لئے دل میں خاص جگہ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ جو کوئی اُن کی مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے (جس کی مختلف صورتیں اوپر ذکر کی جا چکی ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو جاتا ہے۔

(ف) یہ بات پہلے بھی بار بار ذکر کی جا چکی ہے، اور یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف اُن بندوں سے ہوتا ہے جو کسی ایسے سنگین جرم کے مجرم نہ ہوں جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت سے بالکل ہی محروم کر دیتا ہو۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک بادشاہ اعلان کرتا ہے کہ جو کوئی میری رعایا کیساتھ اچھا سلوک کرے گا وہ میری محبت کا مستحق ہوگا، اور میں اُس کو انعامات سے نوازوں گا، تو ظاہر ہے کہ جو لوگ خود اس بادشاہ کے باغی ہوں، یا دوسرے ناقابلِ معافی جرائم بطور پیشہ کے کرتے ہوں، (مثلاً قتل و غارتگری، ڈاکہ زنی وغیرہ) وہ اگر رعایا کے کچھ افراد کے ساتھ بڑے سے بڑا سلوک بھی کریں، تب بھی وہ اس اعلان کی بنیاد پر بادشاہ کی محبت اور انعام کے مستحق نہیں ہوں گے، اور یہی کہا جائے گا کہ اس شاہی فرمان کا تعلق ایسے باغیوں اور پیشہ ور مجرموں سے نہیں ہے۔

(۱۲۸) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُوْنُوْا إِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنَّا وَإِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ تُحْسِنُوْا وَإِنْ أَسَاءُوْا فَلَا تَظْلِمُوْا ——— رواه الترمذی

(ترجمہ) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تم دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرنے والے نہ بنو، کہ کہنے لگو کہ اگر

اُور لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے، اُور اگر دوسرے لوگ ظلم کا رویہ اختیار کریں گے تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے، بلکہ اپنے دلوں کو اس پر پکّا کرو کہ اگر اور لوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کرو، اُور اگر لوگ برا سلوک کریں تب بھی تم ظلم اُور برائی کا رویہ اختیار نہ کرو (بلکہ احسان ہی کرو)۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ دنیا میں خواہ احسان اُور حُسنِ سلوک کا چلن ہو یا ظلم اُور بدسلوکی کا دَور دَورہ ہو، اہلِ ایمان کو چاہئے کہ اُن کا رویہ دوسروں کے ساتھ احسان اُور حُسنِ سلوک ہی کا رہے ——— نیز یہ احسان صرف اُن ہی لوگوں کے ساتھ نہ کیا جائے جو ہمارے ساتھ احسان کرتے ہوں، بلکہ جو لوگ ہمارے ساتھ برا سلوک کریں، اُن کے ساتھ بھی ہم احسان ہی کا رویہ رکھیں ——— "کتاب الرقاق" کے آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے میرے پروردگار کا حکم ہے کہ جو مجھ سے قطع رحم کرے میں اُس کے ساتھ صلۂ رحمی کروں، اُور جو مجھے نہ دے، جب میرے لئے دینے کا وقت آئے، تو میں اُس کو بھی دوں"۔

(۱۲۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَضَّلَ لِاَحَدٍ مِنْ اُمَّتِيْ حَاجَةً يُرِيْدُ اَنْ يَّسُرَّهٗ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِيْ وَمَنْ سَرَّنِيْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰهَ وَمَنْ سَرَّ اللّٰهَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ ———

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی نے میرے کسی اُمتی کی کوئی حاجت پوری کر دی اُس کا دل خوش کرنے کے لئے، تو اُس نے مجھے خوش کیا اُور جس نے مجھے خوش کیا اُس نے میرے اللہ کو خوش کیا، اُور جس نے اللہ کو خوش کیا، اللہ اُس کو جنّت میں داخل فرمائے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اُمتیوں کے ساتھ جو خاص تعلق ہے اُس کا اندازہ اُس حدیث سے بھی کیا جا سکتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ آپ کے کسی اُمتی کو خوش کرنے کے لئے اُس کا کوئی کام کر دینا اور اُسکے ساتھ اچھا سلوک کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے والا عمل ہے، اور اس کا صلہ اللہ تعالیٰ کی خوشی اور جنت ہے۔

(۱۳۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِیْنِ كَالسَّاعِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا یَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا یُفْطِرُ ــــــــــ

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ:۔ اللہ کا جو بندہ بے شوہر والی اور بے سہارا کسی عورت اور کسی مسکین حاجتمند آدمی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہو، وہ اجر و ثواب میں اُس مجاہد بندہ کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرتا ہو ــــــ راوی کہتے ہیں ــــــ اور میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا، کہ:۔ اور اُس شب بیدار بندہ کی طرح ہے جو رات بھر نماز پڑھتا ہو اور تھکتا نہ ہو اور اُس دائمی روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی بے روزہ کے رہتا ہی نہ ہو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ اوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا، احسان خواہ کسی قسم کا اور اللہ کی کسی مخلوق کے ساتھ کیا جائے، وہ اللہ کو راضی کرنے والا عمل ہے، لیکن خاص کر کسی بے سہارا عورت اور کسی مسکین بندہ کی مدد کے لئے اور اُسکے کاموں میں دوڑ دھوپ کرنا اتنا اونچا عمل ہے کہ اسکے کرنے والے بندے اجر و ثواب میں اُن بندوں کے برابر ہیں جو راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوں، یا جو صائم النہار اور قائم اللیل ہوں۔

چھوٹے سے چھوٹے احسان کی بھی اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہے:۔

(۱۳۱) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَحْقِرَنَّ اَحَدُکُمْ شَیْئًا مِّنَ الْمَعْرُوْفِ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَلْیَلْقَ اَخَاہُ بِوَجْہٍ طَلْقٍ وَاِذَا اشْتَرَیْتَ لَحْمًا اَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا فَاَکْثِرْ مَرَقَتَہٗ وَاغْرِفْ لِجَارِکَ مِنْہُ ـــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم میں سے کوئی احسان کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر نہ سمجھے، پس اگر اپنے بھائی کو دینے کے لئے کچھ بھی نہ پائے تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی کے ساتھ اُس سے ملاقات کرے (یہ بھی حُسنِ سلوک کی ایک صورت ہے) اور جب تم گوشت خرید و یا ہانڈی پکاؤ تو اُس میں شوربا بڑھا دیا کرو، پھر کچھ بھر اُس میں سے اپنے پڑوسی کے لئے بھی بھیجا کرو (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے اعزہ و اقارب اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کیا کرے حسبِ استطاعت اُن کو تحفے دیا کرے، اور اگر تحفہ دینے کیلئے کوئی زیادہ بڑھیا چیز نہ ہو تو جو کچھ میسر ہو وہی دیدے، اور اس کو حقیر اور معمولی سمجھ کے دینے سے نہ رُکے، اور اگر کچھ بھی میسر نہ ہو تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی اور خندہ جبینی کے ساتھ اُن سے ملا کرے، یہ بھی حُسنِ سلوک کی ایک صورت ہے، اور تحفہ تحائف کی طرح اس سے بھی باہمی محبت و تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں غریب اور نادار آدمی بھی اتنا تو کر ہی سکتا ہے کہ جب کبھی گھر میں گوشت پکے، تو اُس میں شوربا کچھ زیادہ کر لیا جائے، اور کسی پڑوس کے گھر بھی اُس میں سے بھیج دیا جائے۔

دراصل حُسنِ سلوک کی اِن آخری صورتوں کا ذکر حضورؐ نے بطور مثال کے کیا ہے، ورنہ مطلب یہ ہے کہ جس سے جو ہو سکے وہ دوسروں کے ساتھ احسان کرے۔

(۱۳۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُحَقِّرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَاِنْ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقَى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِقٍ وَاَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ اِنَاءِ اَخِيْكَ ــــ

(رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ تم حُسنِ سلوک کی کسی صورت اُور کسی قسم کو بھی حقیر مت سمجھو، اُور اُس کی ایک صورت (جس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا) یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے شگفتہ روئی کے ساتھ ملو، اُور یہ بھی (حُسنِ سلوک میں سے ہے) کہ تم اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اِس حدیث میں اپنے بھائی کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ڈالنے کا ذکر بھی بطور مثال ہی کے کیا گیا ہے، اُور مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے بھائی کی جو خدمت اُور مدد تم کر سکتے ہو اُور اُس کو جو آرام تم پہونچا سکتے ہو، اُور جس طرح تم اُسکے کام آسکتے ہو، اُس میں دریغ نہ کرو۔ اللہ کی نظر میں یہ سب احسان ہی کی صورتیں ہیں۔

اگر آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن ہدایات پر عمل کیا جائے تو کیسی محبت و مؤدت کی فضا ہو، اُور کیسا بھائی چارہ ہو ــــــ اِن حدیثوں نے یہ بھی بتایا کہ کسی پر احسان کرنے دولتمندی پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اِس فضیلت میں غربا بھی اپنی غربت اُور ناداری کے ساتھ اُمیروں کے شریک ہو سکتے ہیں ــــــ اللہ تعالیٰ ان قیمتی ہدایات کی قدر کرنے اُور ان سے فائدہ اُٹھانے کی ہم سب کو توفیق دے۔

ایثار:۔

احسان کا ایک اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک چیز کا خود ضرورت مند ہو، لیکن جب کوئی دوسرا

حاجتمند اُسکے سامنے آجائے تو وہ چیز اُس کو دیدے اور خود تکلیف اُٹھالے، اسی کا نام ایثار ہے، اور بلاشبہ انسانی اخلاق میں اِس کا مقام بہت بلند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اپنا طرزِ عمل بھی یہی تھا، اور دوسروں کو بھی آپ اس کی تعلیم اور ترغیب دیتے تھے۔

(۱۳۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبُرْدَةٍ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَكْسُوكَ هٰذِهِ فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا فَلَبِسَهَا فَرَآهَا عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا أَحْسَنَ هٰذِهِ فَاكْسُنِيهَا فَقَالَ نَعَمْ فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَامَهُ أَصْحَابُهُ قَالَ مَا أَحْسَنْتَ حِيْنَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَهَا مُحْتَاجًا إِلَيْهَا ثُمَّ سَأَلْتَهُ إِيَّاهَا وَقَدْ عَرَفْتَ أَنَّهُ لَا يُسْأَلُ شَيْئًا فَيَمْنَعُهُ فَقَالَ رَجَوْتُ بَرَكَتَهَا حِيْنَ لَبِسَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلِّيْ أُكَفَّنُ فِيْهَا ——— رواہ البخاری۔

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چادر (ہدیہ کے طور پر) لے کر آئی، اور عرض کیا کہ: حضرت! میں یہ چادر آپ کو اُڑھانا چاہتی ہوں۔ آپ نے وہ چادر قبول فرما کر اوڑھ لی، اور آپ کی حالت یہ تھی کہ اُس وقت آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ آپ کے صحابہ میں سے ایک صاحب نے آپ کو وہ چادر اوڑھے دیکھا تو عرض کیا، یا رسول اللہ یہ چادر تو بہت ہی اچھی ہے، یہ تو مجھے عنایت فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا: بہت اچھا (اور وہ چادر اُسی وقت اُتار کر اُن صاحب کو دیدی) پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس مجلس سے اُٹھ گئے، تو بعض ساتھیوں نے ان صاحب کو ملامت کی، اور کہا۔ تم نے یہ اچھا نہیں کیا، تم نے دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود

اس کی ضرورت تھی، اور آپ نے حاجتمندی کی حالت میں یہ چادر اُس خاتون سے قبول کی تھی، اسکے باوجود تم نے حضورؐ سے اس کو مانگ لیا، حالانکہ تم جانتے ہو کہ آپ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جو چیز بھی آپ سے مانگی جائے آپ اس کو دے ہی دیتے ہیں۔ اُن صاحب نے عرض کیا:۔ میں نے تو برکت کے خیال سے ایسا کیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہن لیا تھا، اب مجھے اُمید ہے کہ یہی مبارک چادر میرا کفن بنے گی۔ (صحیح بخاری)

(۱۳۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ مَجْهُوْدٌ فَاَرْسَلَ اِلٰی بَعْضِ نِسَائِهٖ فَقَالَتْ وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِیْ اِلَّا مَاءٌ ثُمَّ اَرْسَلَ اِلٰی اُخْرٰی فَقَالَتْ مِثْلَ ذَالِكَ وَقُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذَالِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ یُّضَیِّفُهُ یَرْحَمُهُ اللّٰهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْطَلْحَةَ فَقَالَ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَانْطَلَقَ بِهٖ اِلٰی رَحْلِهٖ فَقَالَ لِاِمْرَاَتِهٖ هَلْ عِنْدَكِ شَیْءٌ قَالَتْ لَا اِلَّا قُوْتُ صِبْیَانِیْ قَالَ فَعَلِّلِیْهِمْ بِشَیْءٍ وَنَوِّمِیْهِمْ فَاِذَا دَخَلَ ضَیْفُنَا فَاَرِیْهِ اَنَّا نَاْكُلُ فَاِذَا اَهْوٰی بِیَدِهٖ لِیَاْكُلَ فَقُوْمِیْ اِلَی السِّرَاجِ كَیْ تُصْلِحِیْهِ فَاَطْفِیْهِ فَفَعَلَتْ فَقَعَدُوْا وَاَكَلَ الضَّیْفُ وَبَاتَا طَاوِیَیْنِ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ اَوْ ضَحِكَ اللّٰهُ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةٍ ——————

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں بڑا دکھی فقیر ہوں

(مجھے بھوک بہت ستا رہی ہے)۔ آپ نے اپنی بعض ازواجِ مطہرات کے پاس کہلا بھیجا (کہ اگر کھانے کی کوئی چیز ہو، تو ایک ایسے حاجت مند کیلئے بھیجدو) وہاں سے جواب ملا، کہ قسم اُس پاک ذات کی جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہمارے ہاں اِس وقت کھانے پینے کی کوئی چیز پانی کے سوا نہیں ہے۔ پھر آپ نے اپنے کسی دوسرے گھر میں کہلا کے بھیجا، وہاں سے بھی یہی جواب ملا، پھر یکے بعد دیگرے اپنے سب گھروں میں کہلا کے بھیجا، اور) اُن سب کی طرف سے یہی جواب ملا (کہ اِس وقت پانی کے سوا کھانے پینے کی کوئی چیز گھر میں نہیں ہے، اپنے سب گھروں سے یہ جواب ملنے کے بعد) آپ نے صحابۂ حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:۔ تم میں سے کون اِس بندہ کو اپنا مہمان بنا سکتا ہے؟ اُس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہوگی!۔ انصار میں سے ابوطلحہؓ نامی ایک شخص کھڑے ہوئے اور عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! ان کو میں اپنا مہمان بناتا ہوں چنانچہ وہ اُس حاجت مند شخص کو اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا (اِس وقت ایک مہمان کے لئے) کیا تمہارے ہاں کچھ ہے؟۔ بیوی نے جواب دیا، کہ بس اپنے بچوں کا کھانا ہے اِس کے سوا کچھ نہیں ہے (یہاں تک کہ میرے اور تمہارے کھانے کے لئے بھی کچھ نہیں ہے)۔ ابوطلحہ نے کہا۔ تو پھر ایسا کرو کہ اُن بچوں کو کسی چیز سے بہلا کے (بلا کھلائے) سُلا دو، اور جب ہمارا مہمان گھر میں آجائے، تو (اپنے طرزِ عمل سے) اُس پر یہ ظاہر کیجیو اور ایسا دکھائیو کہ (اُسکے ساتھ) ہم بھی کھائیں گے، پھر جب وہ کھانے کے لئے ہاتھ بڑھائے (اور کھانا شروع کر دے) تو تم چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے چراغ کے پاس جائیو اور اُس کو گُل کر دیجیو (تاکہ گھر میں اندھیرا ہو جائے اور مہمان یہ نہ دیکھ سکے کہ ہم اُسکے ساتھ کھا رہے ہیں یا نہیں) چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا، پس بیٹھے تو سب لیکن کھانا صرف مہمان ہی نے کھایا، اور ان دونوں میاں بیوی نے بھوکے رہ کر رات گذاری، پھر جب صبح ہوئی تو ابوطلحہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے اُن کا اور اُن کی بیوی کا نام لے کر اُن کو خوش خبری سنائی کہ :۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے فلاں بندے اور فلاں بندی کا یہ عمل بہت ہی پسند آیا، اور اللہ تعالیٰ بہت ہی خوش ہوا ـــــ ۔ راوی کو شک ہے کہ آپؐ نے اِس مطلب کے اَدا کرنے کے لئے "عَجِبَ اللّٰہُ" کا لفظ بولا تھا ـــــ یا "ضَحِکَ اللّٰہُ" کا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت اور آپ کے عملی نمونے نے صحابۂ کرامؓ میں ایثار کی یہ صفت جس درجہ میں پیدا کردی تھی یہ واقعہ اُس کا ایک نمونہ ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار کی اسی صفت اور اسی سیرت کی مدح ان الفاظ میں کی گئی ہے "وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"[1] (سورۂ حشر ع ۱)۔

ابوطلحہ انصاری کے اِس عمل کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی، اور رضا اور پسندیدگی کا جو خاص خاص درجہ نصیب ہوا، اُس کو سمجھانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مجاز یا استعارہ کے "عَجِبَ" یا "ضَحِکَ" کا لفظ بولا، ورنہ ظاہر ہے کہ حیرت و تعجب کرنا اور ہنسنا، اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے یہ دونوں صفتیں کسی بندہ ہی کی ہو سکتی ہیں۔

اُنس و محبت اور بیگانگی و عداوت :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنس و محبت کو بھی خاص ایمانی صفات میں سے بتلایا ہے، اور کیوں نہ ہو، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُنس و محبت کا ایک پیکر تھے، اور آپ کی ہر خصلت بلاشبہ ایمانی خصلت ہے۔

(۱۳۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ مَاْلَفٌ وَلَا خَیْرَ فِیْمَنْ لَا یَاْلَفُ وَلَا یُؤْلَفُ ـــــ

(رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

[1] (ترجمہ) وہ دوسرے ضرورت مندوں کو اپنے پر مقدم رکھتے ہیں، اگرچہ اُن کو فاقہ ہی ہو۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ مومن تو الفت و محبت کا مرکز ہے، اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا، اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔

(مسند احمد و شعب الایمان بیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بندۂ مومن کو اُنس و محبت کا مرکز ہونا چاہئے کہ وہ خود دوسروں سے محبت کرے، اور دوسرے اس سے محبت کریں اور مانوس ہوں، اگر کسی شخص میں یہ بات نہیں ہے تو گویا اس میں کوئی خیر نہیں، نہ وہ دوسروں کو کوئی نفع پہونچا سکے گا اور نہ دوسرے لوگ اس سے نفع اُٹھا سکیں گے ——— اس حدیث میں اُن خشک مزاج متقشف حضرات کے لئے خاص سبق ہے جو سب سے بے تعلق رہنے ہی کو دین کا تقاضا سمجھتے ہیں اور اس لئے نہ وہ خود دوسروں سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو اپنے سے مانوس کرتے ہیں ——— البتہ مومن کی یہ محبت و الفت اور دوسروں سے مانوس ہونا اور اُن کو اپنے سے مانوس کرنا سب اللہ ہی کے لئے اور اسکے احکام کے تحت ہونا چاہئے۔ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۔

اللہ کیلئے محبت اور اللہ کیلئے بغض و عداوت:۔

(۱۳۶) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کے لئے ہو، اور وہ بغض و عداوت ہے جو اللہ کے لئے ہو۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) کسی بندہ کا یہ حال ہو جانا کہ وہ صرف اللہ کے لئے محبت کرے، اور اللہ ہی کے لئے کسی سے بغض رکھے، بلاشبہ بہت اونچا مقام ہے۔ "کتاب الایمان" میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا:۔ کہ ایمان کی مضبوط ترین رسی اللہ کے لئے محبت و تعلق جوڑنا، اور اللہ کے لئے کسی سے تعلق توڑنا ہے۔

اللہ کیلئے محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت ہے:۔

(۱۳۷) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلّٰهِ اِلَّا اَكْرَمَ رَبَّهٗ عَزَّ وَجَلَّ ــــــــ

(رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندہ نے بھی اللہ کے لئے کسی بندہ سے محبت کی، اُس نے اپنے رب عزوجل ہی کی عظمت و توقیر کی۔ (مسند احمد)

(تشریح) یعنی کسی بندہ کا کسی دوسرے بندہ سے اللہ کیلئے اور اللہ کے تعلق سے محبت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کرنا ہے اور اس طرح اس کا شمار اللہ تعالیٰ کی عبادات میں ہے۔

اللہ کیلئے آپس میں میل محبت کرنیوالے اللہ کے محبوب ہو جاتے ہیں:۔

(۱۳۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِیَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِیَّ ــــــــ

(رواہ مالک)

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، کہ:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت واجب ہے اُن لوگوں کے لئے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں، اور میری وجہ اور میرے تعلق سے کہیں جُڑ کر بیٹھیں، اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں، اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔ (مؤطا امام مالک)

(تشریح) اللہ کے جن بندوں نے اپنی محبت و چاہت اور اپنے ظاہری و باطنی تعلق کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے تحت کر دیا ہے، اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ کے لئے کرتے ہیں، جس کے پاس بیٹھتے ہیں اللہ کے لئے بیٹھتے ہیں، جس سے ملتے ہیں اللہ کے لئے ملتے ہیں، جو کچھ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں، بیشک اللہ کے یہ بندے اسکے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور محبت ان کو نصیب ہو ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس بشارتی منشور کا اعلان فرمایا ہے کہ میرے ان بندوں کے لئے میری محبت واجب اور مقرر ہو چکی ہے، میں ان سے محبت کرتا ہوں، ان سے راضی ہوں، اور وہ میرے محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں ——— اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَحَابِّيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيْكَ (اے اللہ! ہمیں اپنے اُن بندوں میں سے کر دے، جو تیرے ہی لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، تیرے ہی لئے باہم جُڑ کے بیٹھتے ہیں، تیرے ہی لئے آپس میں ملتے ہیں، اور تیری ہی رضا کے لئے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں)۔

(۱۳۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلًا زَارَ اَخًا لَهٗ فِيْ قَرْيَةٍ اُخْرٰى فَاَرْصَدَ اللّٰهُ لَهٗ عَلٰى مَدْرَجَتِهٖ مَلَكًا، قَالَ اَيْنَ تُرِيْدُ قَالَ اُرِيْدُ اَخًا لِيْ فِيْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا قَالَ لَا غَيْرَ اَنِّيْ اَحْبَبْتُهٗ فِي اللّٰهِ قَالَ فَاِنِّيْ

رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكَ بِاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّكَ كَمَا اَحْبَبْتَهٗ فِيْهِ ــــ

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ایک شخص اپنے ایک بھائی سے ــــ جو دوسری ایک بستی میں رہتا تھا ــــ ملاقات کے لئے چلا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گذر پر ایک فرشتہ کو منتظر بنا کے بٹھا دیا (جب وہ شخص اس مقام سے گذرا، تو) فرشتہ نے اُس سے پوچھا۔ تمھارا کہاں کا ارادہ ہے؟۔ اُسنے کہا:۔ میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتہ نے کہا:۔ کیا اُس پر تمھارا کوئی احسان ہے، اور کوئی ایسی نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لئے جا رہے ہو۔ اُس بندہ نے کہا:۔ نہیں! میرے جانے کا باعث اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے لئے مجھے اس بھائی سے محبت ہے (یعنی بس اسی للّٰہی محبت کے تعلق اور تقاضے سے میں اس کی زیارت اور ملاقات کے لئے جا رہا ہوں)۔ فرشتہ نے کہا کہ:۔ میں تمھیں بتاتا ہوں، کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمھارے پاس یہ بتانے کے لئے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے، جیسا کہ تم اللہ کے لئے اُسکے اس بندہ سے محبت کرتے ہو۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) یہ واقعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے، بظاہر کسی اگلی اُمت کے کسی فرد کا ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کبھی کبھی فرشتے اللہ کے حکم سے کسی غیر نبی کے پاس بھی آسکتے ہیں، اور اس سے اس طرح کی باتیں دو بدو کر سکتے ہیں، حضرت جبرئیلؑ کا اللہ کے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے پاس آنا، اور ان سے باتیں کرنا قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت مریم نبی نہ تھیں۔

اس واقعہ کی اصل روح اور اسکے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقصد اس حقیقت کا واضح کرنا تھا، کہ اللہ کے کسی بندہ کا اپنے کسی بھائی سے اللہ کے لئے محبت کرنا اور

اس للّٰہی محبت کے تقاضے سے اس سے ملاقات کرنے کے لئے جانا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنیوالے بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتہ کے ذریعہ اس کو اپنی محبت کا پیغام پہونچاتا ہے۔ فَطُوْبٰی لَھُمْ وَبُشْرٰی لَھُمْ (ان کو مبارک ہو ان کو بشارت ہو)۔

اللہ کیلئے محبت کرنیوالوں کا قیامت کے دن خاص امتیاز:۔

(۱۴۰) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَاُنَاسًا مَا ھُمْ بِاَنْبِیَاءَ وَلَا شُھَدَاءَ یَغْبِطُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّھَدَاءُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِمَکَانِھِمْ مِنَ اللّٰہِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تُخْبِرُنَا مَنْ ھُمْ؟ قَالَ ھُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰہِ عَلٰی غَیْرِ اَرْحَامٍ بَیْنَھُمْ وَاَمْوَالٍ یَتَعَاطَوْنَھَا فَوَاللّٰہِ اِنَّ وُجُوْھَھُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّھُمْ لَعَلٰی نُوْرٍ لَا یَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَءَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ——— رواہ ابوداؤد۔

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں، جو نبی یا شہید تو نہیں ہیں، لیکن قیامت کے دن بہت سے انبیاء اور شہداء ان کے خاص مقام قرب کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! ہمیں بتلائیے کہ وہ کون بندے ہیں؟۔ آپ نے فرمایا:۔ وہ لوگ وہ ہیں جنھوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے، اور بغیر کسی مالی لین دین کے روحِ خداوندی کی وجہ سے باہم محبت کی ——— پس قسم ہے خدا کی، ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہوں گے

بلکہ سراسر نور ہوں گے، اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے، اور عام انسانوں کو جس وقت خوف و ہراس ہوگا اس وقت وہ بے خوف اور مطمئن ہوں گے، اور جس وقت عام انسان مبتلائے غم ہوں گے وہ اس وقت بے غم ہوں گے، اور اس موقع پر آپ نے یہ آیت پڑھی: "اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ"۔ (معلوم ہونا چاہئے کہ جو اللہ کے دوست اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں، اُن کو خوف و غم نہ ہوگا)۔ (من ابی داؤد)

(تشریح) اس دنیا میں خونی رشتہ اور قرابت کی وجہ سے محبت و تعلق کا ہونا ایک ایسی عمومی اور فطری بات ہے جو انسانوں کے علاوہ عام جانوروں بلکہ درندوں میں بھی موجود ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی مالی امداد کرتا ہے، اس کو ہدیے اور تحفے دیتا ہے تو اس میں اس محسن کی محبت پیدا ہو جانا بھی ایک ایسی فطری بات ہے جو کافروں، مشرکوں اور فاسقوں فاجروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن کسی رشتہ اور قرابت کے بغیر اور کسی مالی لین دین اور کسی ہدیے اور تحفے کے بغیر محض اللہ کے دین کے تعلق سے کسی سے محبت کرنا ایک ایسی ایمانی صفت ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے اور اس کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا خاص محبوب و مقرب بن جاتا ہے۔ اور قیامت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی ایسی نوازشیں ہوں گی کہ انبیاء اور شہداء اس پر رشک کریں گے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ درجہ اور مرتبہ میں انبیاء و شہداء سے افضل اور بلند تر ہوں گے۔۔۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کم درجے کے کسی آدمی کو کسی خاص اچھی حالت میں دیکھ کر اس سے اونچے درجے والوں کو بھی اس پر رشک آنے لگتا ہے، یہ بات عقل و منطق کے لحاظ سے اگرچہ بہت سوں کو مستبعد معلوم ہوگی، لیکن واقعات کی دنیا میں بکثرت ایسا ہوتا رہتا ہے، اسلئے جو کچھ کہا گیا ہے یہ زبردستی کی تاویل نہیں ہے بلکہ واقعی حقیقت ہے۔

یہ بندگان خدا جن کے مقام قرب پر انبیاء و شہداء کو رشک آئے گا۔ حدیث میں ان کا تعارف

اِن الفاظ میں کرایا گیا ہے، "هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ" اِس لفظ رُوْح کو رَ کے پیش کے ساتھ رُوْح بھی پڑھا گیا ہے، اور رَ زبر کے ساتھ رَوْح بھی۔ ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں اِس سے اللہ کا دین مراد ہے، اور مطلب یہی ہے کہ یہ وہ بندگانِ خدا ہوں گے جنھوں نے اِس دنیوی زندگی میں اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت و الفت کی ——— دین اُس اُخروی زندگی کے لئے جو اصل زندگی ہے بمنزلہ رُوْح کے بھی ہے، اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اور رحمت بھی ہے، اور رَوْح کے معنی رحمت، نعمت اور راحت کے ہیں۔ الغرض اِس لفظ کو خواہ رَ کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے یا زبر کے ساتھ، ہر حال میں مطلب ایک ہی ہوگا۔

حدیث کے آخری حصے میں فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت کرنیوالے ان بندگانِ خدا پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص انعام یہ ہوگا کہ قیامت کے دن جبکہ عام انسانوں پر خوف اور غم چھایا ہوا ہوگا، ان کے دلوں پر خوف اور غم کا کوئی اثر نہ ہوگا، اور یہ بالکل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے شاداں و فرحاں ہوں گے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۔

اللہ کیلئے محبت کرنیوالے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں:۔

(۱۴۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ اَلْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ ——— رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت و جلال کی وجہ سے آپس میں الفت و محبت رکھتے تھے؟ آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے، میں اپنے ان بندوں کو اپنے

سایہ میں جگہ دوں گا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اللہ تعالیٰ خبیر و بصیر ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا، کہ میرے وہ بندے کہاں ہیں؟ ــــ دراصل استفہام و استفسار کے لئے نہ ہوگا، بلکہ میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پکار علیٰ رؤس الاشہاد اسلئے بلند ہوگی کہ اُن بندگانِ خدا کی یہ مقبولیت و محبوبیت سارے اہلِ محشر اور تمام اولین و آخرین کے سامنے ظاہر ہو جائے، اور سب سُن لیں اور دیکھ لیں کہ اللہ کے لئے محبت کرنیوالوں کا مقام اور مرتبہ اللہ کے یہاں کیا ہے ــــ اور حدیث میں اللہ کے سایہ سے مراد غالباً اس کے عرش کا سایہ ہے، جیسا کہ بعض دوسری حدیثوں میں تصریح بھی ہے۔

محبّت ذریعۂ قرب و معیّت :-

(۱۴۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَقُوْلُ فِيْ رَجُلٍ اَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ فَقَالَ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ــــ

(رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:- حضورؐ کیا فرماتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں جس کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں ہو سکا؟ تو آپ نے فرمایا، کہ:- جو آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اسکے ساتھ ہی ہے۔ (یا یہ کہ آخرت میں اس کے ساتھ کر دیا جائے گا)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) سائل کا مقصد بظاہر یہ دریافت کرنا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی خاص صالح

اُور متقی بندہ سے یا اہلِ صلاح و تقویٰ کے کسی گروہ سے محبت رکھتا ہو لیکن عمل اُور سیرت میں بالکل ان کے قدم بقدم اُور ان کے درجہ کا نہ ہو، بلکہ ان سے کچھ پیچھے ہو، تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ ــــ اور اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ شخص عمل میں کچھ پیچھے ہونے کے باوجود اُن بندگانِ خدا کے ساتھ کر دیا جائے گا جن کے ساتھ اس کو اللہ کے لئے اُور دین کے تعلق سے محبت تھی ــــــ اِس سے اگلی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سوال کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔

(۱۴۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلرَّجُلُ یُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّعْمَلَ کَعَمَلِهِمْ؟ قَالَ اَنْتَ یَا اَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ فَاِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ فَاِنَّكَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ فَاَعَادَهَا اَبُوْ ذَرٍّ فَاَعَادَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ــــــــــ

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے (ابوذر نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! ایک آدمی ہے اس کو اللہ کے خاص بندوں سے محبت ہے لیکن وہ اس سے عاجز ہے کہ ان کے سے عمل کر سکے (تو اس بیچارہ کا انجام کیا ہوگا؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ابوذر! تم کو جس سے محبت ہوگی تم اُسی کیساتھ ہوگے۔ ابوذر نے عرض کیا:۔ حضرت! مجھے تو اللہ اُور اُسکے رسول سے محبت ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔ پس تم ان ہی کے پاس اور ان ہی کے ساتھ رہوگے جن سے تم کو محبت ہے۔ یہ جواب سُن کر ابوذر نے پھر اپنی بات دُہرائی اُور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں پھر وہی ارشاد فرمایا جو پہلی دفعہ ارشاد فرمایا تھا۔ (سنن ابی داؤد)

(۱۴۴) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَتَی السَّاعَۃُ قَالَ وَیْلَکَ وَمَا اَعْدَدْتَ لَھَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَھَا اِلَّا اَنِّیْ اُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَاَیْتُ الْمُسْلِمِیْنَ فَرِحُوْا بِشَیْءٍ بَعْدَ اِسْلَامِھِمْ فَرَحَھُمْ بِھَا۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ:۔ حضرت! قیامت کب آئے گی؟۔ آپ نے فرمایا:۔ وائے برحال تو (تو قیامت کا وقت اور اسکے آنے کی خاص گھڑی دریافت کرنا چاہتا ہے، بتلا) تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ ــــــ اُس نے عرض کیا:۔ میں نے اس کے لئے کوئی خاص تیاری تو نہیں کی (جو آپ کے سامنے ذکر کرنے کے لائق اور بھروسہ کے قابل ہو) البتہ (توفیق الٰہی سے مجھے یہ ضرور نصیب ہے کہ) مجھے محبت ہے اللہ سے اور اسکے رسول سے ــــــ آپ نے فرمایا:۔ تجھ کو جس سے محبت ہے تو اُن ہی کے ساتھ ہے اور تجھ کو اُن کی معیت نصیب ہوگی ــــــ حدیث کے راوی حضرت انسؓ اس حدیث کو بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔ میں نے نہیں دیکھا مسلمانوں کو (یعنی حضورؐ کے صحابہ کو) کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کو کسی چیز سے اتنی خوشی ہوئی ہو جتنی کہ حضورؐ کی اس بشارت سے ہوئی۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اسی حدیث کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا آخری فقرہ اس طرح بھی نقل کیا گیا ہے:۔

فَمَا فَرِحْنَا بِشَيْءٍ فَرَحَنَا بِقَوْلِهٖ	ہم لوگوں کو (یعنی حضورؐ کے صحابہ کو)
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ	کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی
مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ فَاَنَا اُحِبُّ	جتنی کہ آپ کے اس ارشاد سے ہوئی کہ
النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	"اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ" (تم جس سے
وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ فَاَرْجُوْ اَنْ	محبت کرتے ہو اُسی کیساتھ ہو) پس
اَكُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّيْ اِيَّاهُمْ	میں بحمداللہ محبت رکھتا ہوں رسول اللہ
وَاِنْ لَمْ اَعْمَلْ اَعْمَالَهُمْ	صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ابوبکر و عمر سے

اور امید رکھتا ہوں کہ اپنی اس محبت ہی کی وجہ سے مجھے ان کا ساتھ نصیب ہوگا، اگرچہ میرے اعمال اُن حضرات کے سے نہیں ہیں۔

ناظرین کو ان حدیثوں کے متعلق دو باتیں خاص طور سے سمجھ لینی چاہییں۔

محبت کی وجہ سے معیت کا مطلب

اوّل یہ کہ ساتھ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محبت کی وجہ سے محب و محبوب کا درجہ اور مرتبہ بالکل ایک ہو جائے گا، اور دونوں کے ساتھ بالکل یکساں معاملہ ہوگا۔ بلکہ یہ ساتھ ہونا اپنے اپنے حال اور اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے ایسا ہی ہوگا جیسا کہ دنیا میں بھی خادم اپنے مخدوموں کے ساتھ اور تابع اپنے متبوعوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور بلاشبہ یہ بھی بہت بڑا شرف اور بہت بڑی نعمت ہے۔

محبت کیلئے اطاعت لازم ہے

دوسری بات یہ کہ محبت کے لئے اطاعت لازم ہے، یہ ناممکن ہے کہ کسی کو اللہ اور اُسکے رسول سے محبت ہو، اور اُس کی زندگی بغاوت اور معصیت کی ہو۔ پس جو لوگ آزادی اور بے فکری کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اگر اللہ و رسول کی محبت کا دعویٰ کریں تو جھوٹے ہیں، اور اگر واقعہ میں وہ خود بھی اپنے کو اہلِ محبت میں سے سمجھیں تو بڑے فریب میں مبتلا ہیں۔ حضرت رابعہ نے ایسے ہی مدعیانِ محبت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے، اور بالکل صحیح فرمایا ہے:-

تَعْصِي الْإِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ هٰذَا الْعَمْرِيْ فِي الْقِيَاسِ بَدِيْعٌ

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهٗ إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ

(یعنی اے محبت کے جھوٹے مدعی! تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اُس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے، عقل و قیاس کے لحاظ سے یہ بات بہت ہی عجیب ہے، اگر تو دعویٰ محبت میں سچا ہوتا، تو اس کی فرمانبرداری کرتا، کیونکہ ہر محب اپنے محبوب کی بات دل و جان سے مانا کرتا ہے)۔

بہرحال اللہ و رسول کی محبت کے لئے ان کی اطاعت لازم ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ کامل اطاعت محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ ع

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

اور اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والوں کو انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت و رفاقت کی بشارت خود قرآن مجید میں بھی دی گئی ہے ـــــ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النساء-ع-۷)۔

پس اس آیت اور مندرجۂ بالا احادیث کے مضمون میں گویا تعبیر اور عنوان ہی کا فرق ہے ـــــ یہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ اس حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے، جس کو حافظ ابن کثیر نے سورۂ نساء کی اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں ابن مردویہ اور طبرانی کی سند سے نقل کیا ہے۔ . . . حاصل اس کا یہ ہے، کہ:۔

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ:۔

یا رسول اللہ! مجھے اپنی بیوی، اپنی اولاد، اور اپنی جان سے بھی زیادہ حضور سے محبت ہے، اور میرا حال یہ ہے کہ میں اپنے گھر پر ہوتا ہوں اور حضور مجھے یاد آجاتے ہیں

تو اس وقت تک مجھے صبر اور قرار نہیں آتا جب تک حاضر خدمت ہو کر ایک نظر دیکھ نہ لوں، اور جب میں اپنے مرنے کا اور حضور کی وفات کا خیال کرتا ہوں تو میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ وفات کے بعد حضور تو جنت میں پہونچ کر انبیاء علیہم السلام کے بلند مقام پر پہونچا دیئے جائیں گے اور میں اگر اللہ کی رحمت سے جنت میں بھی گیا تو میری رسائی اس عالی مقام تک تو ہو نہ سکے گی، اسلئے آخرت میں حضورؐ کے دیدار سے بظاہر محرومی ہی رہے گی ـــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کی اس بات کا کوئی جواب اپنی طرف سے نہیں دیا، یہاں تک کہ سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی :-

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ	اور جو لوگ فرمانبرداری کریں اللہ کی
فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ	اور اسکے رسول کی، پس وہ اللہ کے
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ	ان خاص مقرب بندوں کیساتھ ہوں گے
وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ـــ	جن پر اللہ کا خاص انعام ہے یعنی انبیاء
(سورۂ نساء)	صدیقین، شہداء، اور صالحین، اور
	یہ سب بڑے ہی اچھے رفیق ہوں گے۔

گویا اس آیت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محبِ صادق کو اور دوسرے تمام اہلِ محبت کو خوش خبری سنائی کہ جب تم کو سچی محبت ہے تو تم اللہ و رسول کی فرمانبرداری ضرور کرو گے، اور پھر تم کو جنت میں اللہ کے خاص مقرب بندوں کی معیت اور رفاقت بھی نصیب ہوگی۔

چونکہ محبت کے بارے میں بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے اور وہ ناواقفی اور کم فہمی کی وجہ سے محبت و اطاعت کے باہمی لزوم کو پیشِ نظر نہیں رکھتے، اسلئے اس موقع پر تھوڑی سی تفصیل ضروری سمجھی گئی ـــــــ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ رَسُوْلِكَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنَا حُبُّهٗ عِنْدَكَ۔ (اے اللہ ہم کو اپنی اور اپنے رسول کی محبت عطا فرما، اور جن

بندوں کی محبت تیرے نزدیک ہمارے لئے نفع بخش ہو، اُن سب کی محبت ہم کو عطا فرما)۔

دینی اخوت اور اسلامی ہمدردی و غمخواری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعٰلمین ہیں، اور آپ کی تعلیم ساری دنیا کیلئے آپ رحمت ہے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی عام مخلوق اور عام انسانوں کے ساتھ ترحم اور حسن سلوک کے بارے میں اپنے ماننے والوں کو جو ہدایات دی ہیں اور جو نصیحتیں فرمائی ہیں، اُن میں سے بعض گذشتہ اوراق میں درج کی جا چکی ہیں، لیکن آپ کو اللہ کا پیغمبر ماننے والی امت چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دینی رشتہ کے ذریعہ ایک برادری بنا دی گئی ہے، اور اب رہتی دنیا تک اس برادری ہی کو نبوت کی نیابت اور نمایندگی کرنی ہے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ امت کے مختلف افراد اور عناصر دینی اخوت، للّٰہی محبت، مخلصانہ ہمدردی و خیر خواہی اور بے غرضانہ تعاون کے ذریعہ ایک وحدت بنے رہیں، اور ان کے دل آپس میں پوری طرح جڑے رہیں، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں اس پر خاص الخاص زور دیا ہے ——— اس سلسلہ کے آپ کے زیادہ تر ارشادات تو وہ ہیں جن کا "معاشرت" کے ابواب میں درج ہونا زیادہ مناسب ہوگا، لیکن دو ایک حدیثوں کا یہاں "اخلاق" کے سلسلہ ہی میں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں باہم کیسی محبت و مودت اور کیسا تعلق ہونا چاہئے:-

(۱۴۵) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى ——— رواہ البخاری ومسلم۔

(ترجمہ) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ :- ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے، اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب اُسکے کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضا بھی بخار اور بے خوابی میں اسکے شریک حال ہو جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والوں میں باہم ایسی محبت و مؤدت، ایسی ہمدردی، اور ایسا دلی تعلق ہونا چاہئے کہ دیکھنے والی ہر آنکھ اُن کو اس حال میں دیکھے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک کسی مصیبت میں مبتلا ہو، تو سب اس کو اپنی مصیبت سمجھیں، اور سب اس کی فکر اور بے چینی میں شریک ہوں ——— اور اگر ایمان کے دعوے کے باوجود یہ بات نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ حقیقی اور کامل ایمان نصیب نہیں ہے ——— ایمان والوں کی یہی صفت قرآن مجید میں "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کے مختصر الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

(۱۴۶) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ ——— (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، کہ :- ایمان والوں کا تعلق دوسرے ایمان والوں سے ایک مضبوط عمارت کے اجزاء کا سا ہونا چاہئے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی مضبوطی کا ذریعہ بنتے ہیں (اور اُن کے جڑے رہنے سے عمارت کھڑی رہتی ہے) پھر آپ نے (ایمان والوں کے اس باہمی تعلق کا نمونہ دکھانے کے لئے) اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں (اور بتایا کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم مل کر ایک ایسی مضبوط دیوار بن جانا چاہئے جس کی اینٹیں باہم

پیوستہ اور ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہوں اور کہیں ان میں کوئی خلا نہ ہو۔
(بخاری و مسلم)

باہم نفرت و عداوت بغض و حسد اور بدگمانی و شماتت وغیرہ کی ممانعت:۔

مندرجۂ بالا حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح مسلمانوں کو باہم محبت و ہمدردی کا برتاؤ کرنے اور ایک جسم و جان بن کر رہنے کی تاکید فرمائی ہے، اسی طرح اسکے خلاف برتاؤ کرنے، مثلاً ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی رکھنے، بدگوئی کرنے، بے تعلق رہنے، اس کی مصیبت پر خوش ہونے، اس کو ایذا پہونچانے اور حسد یا کینہ رکھنے کی سخت مذمت اور انتہائی تاکیدوں کیساتھ ممانعت فرمائی ہے ——— اس سلسلہ کے آپکے چند ارشادات یہ ہیں:۔

(۱۴۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا ——— رواہ البخاری و مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو، اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو، اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بیجا ہوس کرو، نہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض و کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منھ پھیرو، بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں جن جن چیزوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے، یہ سب وہ ہیں جو

دلوں میں بغض و عداوت پیدا کر کے آپس کے تعلقات کو خراب کرتی ہیں ـــــــ سب سے پہلے آپ نے بدگمانی کا ذکر فرمایا:۔ یہ ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے، جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہو اُس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جس کسی سے اس کا ذرا سا اختلاف ہو اُسکے ہر کام میں اس کو بدنیتی ہی بدنیتی معلوم ہوتی ہے، پھر محض اسی وہم اور بدگمانی کی بنا پر وہ اس کی طرف بہت سی اُن ہونی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے پھر اس کا اثر قدرتی طور پر ظاہری برتاؤ پر بھی پڑتا ہے، پھر اس دوسرے شخص کی طرف سے بھی اس کا ردِّ عمل ہوتا ہے، اور اس طرح دل پھٹ جاتے ہیں، اور تعلقات ہمیشہ کے لئے خراب ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بدگمانی کو "اَکْذَبُ الْحَدِیْث" فرمایا ہے یعنی سب سے جھوٹی بات، بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے خلاف زبان سے اگر جھوٹی بات کہی جائے تو اس کا سخت گناہ ہونا ہر مسلمان جانتا ہے، لیکن کسی کے متعلق بدگمانی کو اتنی بُری بات نہیں سمجھا جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا، کہ یہ بدگمانی بھی بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا جھوٹ ہے، اور دل کا یہ گناہ زبان والے جھوٹ سے کم نہیں ہے۔

اور جس طرح اس حدیث میں بدگمانی کی شناعت اور قباحت کو ان الفاظ سے ظاہر فرمایا گیا ہے، اُسی طرح ایک دوسری حدیث میں نیک گمانی کو بہترین عبادت بتایا گیا ہے، ارشاد ہے:۔

"حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ" (رواہ احمد وابوداؤد عن ابی ھریرۃ)۔

پھر بدگمانی کے بعد اور جن جن بُری عادتوں سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے ـــــــ یعنی کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں رہنا، دوسروں میں عیبوں کا تجسس کرنا، ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرنے اور بڑھنے کی کوشش کرنا، کسی کو اچھے حال میں دیکھ کے اُس پر حسد کرنا اور اُس کی خوش حالی کو ٹھنڈی آنکھ نہ دیکھ سکنا وغیرہ وغیرہ ـــــــ ان سب کا حال بھی یہی ہے، کہ ان سے دلوں میں نفرت و عداوت کا بیج پڑتا ہے، اور ایمانی تعلق جس محبت و ہمدردی اور جس اُخوت و یگانگت کو چاہتا ہے اس کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔

حدیث کے آخر میں جو فرمایا گیا ہے: "اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو کر رہو" اس میں اشارہ ہے کہ جب تم اپنے دلوں اور سینوں کو نفرت و عداوت پیدا کرنے والی ان بری عادتوں سے صاف رکھو گے تب ہی تم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہ سکو گے۔

(۱۴۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذُلُهٗ وَلَا یَحْقِرُهٗ اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا ـــــ وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ـــــ بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ ـــــ رواہ مسلم۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس پر کوئی ظلم و زیادتی نہ کرے (اور جب وہ اس کی مدد و اعانت کا محتاج ہو تو اس کی مدد کرے) اور اس کو بے مدد کے نہ چھوڑے، اور اس کو حقیر نہ جانے، اور نہ اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے (کیا خبر ہے کہ اس کے دل میں تقویٰ ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک مکرم اور محترم ہو) پھر آپ نے تین بار اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، کہ: تقویٰ یہاں ہوتا ہے (ہو سکتا ہے کہ تم کسی کو اس کے ظاہری حال سے معمولی آدمی سمجھو اور اپنے دل کے تقوے کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک محترم ہو اسلئے کبھی مسلمان کو حقیر نہ سمجھو) آدمی کے برا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، اور اس کے ساتھ حقارت سے پیش آئے، مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کیلئے قابل احترام ہے، اس کا خون، اس کا مال، اور اس کی آبرو (اسلئے ناحق اس کا خون کرنا، اس کا مال لینا، اور اس کی آبرو ریزی کرنا یہ سب حرام ہیں)۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں ہر مسلمان پر اسکے دوسرے مسلمان بھائی کا ایک یہ حق بھی بتایا گیا ہے کہ جب وہ اس کی مدد کا محتاج ہو، تو یہ اس کی مدد کرے، لیکن یہ اُسی صورت میں ہے جبکہ وہ حق پر ہو اور مظلوم ہو۔۔۔۔۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:۔ تمہارا بھائی اگر مظلوم ہو تو اُس کی مدد کرو، اور اگر ظالم ہو تو اس کو ظلم سے روکو، اُس کو ظلم سے روکنا ہی اُس کی مدد کرنا ہے۔

ایمان والے بندوں کو ستانے والوں اور رسوا کرنے والوں کو سخت تنبیہ:۔

(۱۴۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ ـــــــــــــ رواہ الترمذی۔

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ منبر پر چڑھے، اور آپ نے بلند آواز سے پکارا اور فرمایا:۔ اے وہ لوگو جو زبان سے اسلام لائے ہو، اور ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح اترا نہیں ہے، مسلمان بندوں کو ستانے سے، اور اُن کو عار دلانے اور شرمندہ کرنے، اور اُن کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے باز رہو، کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے پیچھے عیبوں کے پیچھے پڑے گا اور اس کو رسوا کرنا چاہے گا، تو اللہ تعالیٰ اُس کے عیوب کے پیچھے پڑے گا، اور جس کے عیوب کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑے گا، وہ اس کو ضرور رسوا کرے گا (اور وہ رسوا ہو کے رہے گا) اگرچہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) جب حقیقی ایمان کسی کے دل میں اتر جاتا ہے تو اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی پر اپنے انجام کی فکر غالب ہو جاتی ہے، اور وہ اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کے بارہ میں محتاط ہو جاتا ہے، خاص کر اللہ کے جو بندے سچے ایمان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑ چکے ہوں ان کے بارے میں اور بھی زیادہ محتاط ہو جاتا ہے، اُن کو ستانے، اُن کا دل دکھانے، ان کی پچھلی برائیوں کا ذکر کر کے اُن کو شرمندہ کرنے، اور ان کی زندگی کے پچھلے ہوئے کمزور پہلوؤں کی ٹوہ لگانے سے باز رہتا ہے لیکن اگر دل میں ایمان کی حقیقت نہ اُتری ہو، اور صرف زبان سے اسلام کی باتیں ہوں، تو آدمی کا حال اسکے برعکس ہوتا ہے، وہ اپنی فکر کے بجائے دوسروں کے عیب ڈھونڈھتا ہے، خاص کر اللہ کے اُن بندوں کے پیچھے پڑتا ہے، جو اللہ کے ساتھ ایمان اور عبدیت کا تعلق قائم کر چکے ہوتے ہیں، اُن کو لوگوں کی نظروں سے گرانا چاہتا ہے، اُن کی غلطیوں کی تشہیر کرتا ہے، اُن کو بدنام اور ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایسے لوگوں کو آگاہ کیا ہے، کہ وہ اس حرکت سے باز آئیں، اللہ کے ایمان والے بندوں کو بدنام کرنے اور اُن کے مقام کو گرانے، اور اُن کے پچھلے ہوئے کمزور پہلوؤں کو اچھالنے کے مشغلہ کو ترک کریں، ورنہ آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی وہ ذلیل کئے جائیں گے، اور ذلت و رسوائی کی مار اُن پر ضرور پڑے گی، اگر بالفرض ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے وہ خانہ نشین ہو کے بھی بیٹھیں گے، تو اللہ اُن کو اُن کے گھر کی چہار دیواری ہی میں رسوا کرے گا۔ ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

حسد کے بارے میں خاص انتباہ:۔

(۱۵۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت